ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 23 شمارہ 09

مارچ 2026ء - رمضان المبارک 1447ھ

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

جلد 23 شمارہ 09

مارچ 2026ء - رمضان المبارک 1447ھ

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود — Y%g *Ñ

فی شمارہ.................. 50 روپے

سالانہ.................. 500 روپے

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

مولانا عبدالسلام صاحب - 0333-5365831

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....اوقاتِ رمضان کو ضائع کرنے سے بچائیے..........مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط 8).....فوت شدہ کی میراث میں والدین کا حصہ........// // 6

درسِ حدیث...........حجاج بن یوسف (قسط:8)...............// // 13

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات...مفتی محمد رضوان 19

علم کے مینار: ....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (انتالیسواں حصہ)...............................مفتی غلام بلال 24

تذکرۂ اولیاء:........................عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت

کے جدید دنیا پر اثرات (حصہ:4)..................................مولانا محمد ریحان 28

پیارے بچو!...................صحت کا قاتل...................// // 30

بزمِ خواتین....زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ 17)....مفتی طلحہ مدثر 32

آپ کے دینی مسائل کا حل ....دعاءِ تعزیت میں ہاتھ

اٹھانے کا حکم (قسط:2)...ادارہ 35

کیا آپ جانتے ہیں؟..."رسومِ افتاء واصولِ افتاء" پر کلام (قسط13)....مفتی محمد رضوان 46

عبرت کدہ ....حضرت الیاس علیہ السلام (قسط2).....مولانا طارق محمود 51

طب وصحت..........روزہ اور ادویات کا درست استعمال......حکیم مفتی محمد ناصر 54

اخبارِ ادارہ . . . . ادارہ کے شب وروز.........................// // 57

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

اوقاتِ رمضان کو ضائع کرنے سے بچایئے

ایک عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان اور خاص کر نوخیز بچے ماہِ رمضان المبارک کے قیمتی اور بابرکت اوقات کو فضولیات، بلکہ منکرات میں گذار کر ضائع کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔

شہروں کے راستوں، گلی، کوچوں میں جگہ جگہ کرکٹ کا کھیل کھیلتے ہیں، بطورِ خاص رات کے بڑے حصہ میں اپنے کھیل کے اس مشغلہ کو جاری رکھتے ہیں، اوراس کی وجہ سے شور شغب بھی بہت زیادہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے علاقہ کے مکینوں کو تکلیف وتشویش ہوتی ہے، بعض اوقات گیند کسی گھر کی دیوار اور دراوازہ، یا کھڑکی، یا کسی گاڑی کو لگ جاتی ہے، جس کی وجہ سے شور پیدا ہوتا ہے، اور بعض اوقات کوئی مالی نقصان بھی ہوجاتا ہے، جبکہ بعض اوقات کسی راہ گیر کو ناگہانی طور پر گیند لگ جاتی ہے، جس سے دوسرے کو چوٹ لگ جاتی ہے، یا تکلیف ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہاں سے راہ گیروں کو گذرنا ہی مشکل ہوجاتا ہے، جس میں ایذائے مسلم کا گناہ یقینی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ راستوں اور گذرگاہوں کے کناروں پر گندے پانی کی نالیاں بھی واقع ہوتی ہیں، کھیلتے ہوئے گیند بار بار اس نالی میں بھی پہنچتی ہے، اور گندی، وناپاک ہوتی ہے، اوراس کی گندگی، اور ناپاکی، کپڑوں اور ہاتھوں، اور دوسری چیزوں کو لگتی ہے، جس کے نتیجہ میں پاکی کا برقرار رہنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، اور گندی نالیوں کے جراثیم ہاتھوں اور جسم کے دوسرے حصوں تک پہنچ کر بیماری کا باعث بنتے ہیں۔

بعض لوگ ماہِ رمضان کے مبارک وقیمتی اوقات کو دوسرے مشاغل میں لگ کر گذار دیتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ سوشل میڈیا پر مشغول رہتے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا خرافات دیکھتے، سنتے اور خود اپنی زبان سے بکتے ہیں۔

بعض لوگ لڈو اور دوسرے گیم کھیل کر رمضان کے اوقاتِ مبارکہ کو ضائع کرتے ہیں۔

بعض لوگ ماہِ رمضان میں سرکاری سطح پر کھیلے جانے والی میچ کو سننے اور دیکھنے میں بڑا حصہ خرچ کر دیتے ہیں، اور اس کھیل پر زیادہ ہی مرتے مٹتے دکھائی دیتے ہیں، اور اتنا انہماک اختیار کرتے ہیں کہ ایک ایک گیند پر پوری توجہ کو مرکوز رکھتے ہیں، اور مکمل توجہ اور یکسوئی کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، پھر اپنی پسند کے مطابق ہونے پر خوش، اور پسند کے خلاف ہونے پر ناخوش، بلکہ غمگین ہوتے ہیں، اور مدت تک اس پر تبصرے وتجزیے کرتے ہیں۔

بعض مرتبہ میچوں کی سیریز پورے ماہِ رمضان ہی کو چٹ کر جاتی ہے، جو لوگ میچوں کے زیادہ شوقین ہیں، وہ کوئی میچ، بلکہ اس کا کوئی مرحلہ نظر انداز ہو جانے کو بڑی محرومی خیال کرتے ہیں، اور اپنی تمام تر مصروفیات کو آگے پیچھے کرکے بہر حال میچ کو قضاء نہیں ہونے دیتے، پھر جب میچ ختم ہو جاتا ہے، تو سوشل میڈیا پر اس کی ریکارڈنگ کو باریک بینی کے ساتھ بار بار دیکھتے ہیں، غرضیکہ اس میچ کے نشہ نے بہت سے لوگوں کو پوری طرح مبہوت کر رکھا ہے، اور زندگی کے بڑے حصہ کو گھن کی طرح چاٹ رکھا ہے۔

دوسری طرف بعض مسلمانوں کا یہ عالم یہ ہے کہ وہ رمضان کا فرض روزہ تک بھی نہیں رکھتے، اور بعض روزہ تو رکھ لیتے ہیں، لیکن فرض نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے۔

جبکہ بیشتر افراد کی حالت یہ ہے کہ وہ ماہِ رمضان کی راتوں میں قیام وتراویح کا اہتمام نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض، یا واجب عمل نہیں، اگر یہ عمل نہ کیا، تو کونسا گناہ لازم آجائے گا؟

لیکن یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ تراویح اور قیامِ رمضان کی عبادت چھوڑ کر جو دوسرے مشاغل اختیار کیئے جاتے ہیں، وہ کونسے فرض، واجب ہیں، جو ان کو اختیار کیا جاتا ہے، اور رمضان کی راتوں کی مخصوص عبادت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اگر ماہِ رمضان اور اس کے روزوں، اور تراویح اور اس کے دن اور رات کے اوقات کی برکات کی صحیح اہمیت اور قدر وقیمت معلوم ہو، تو ایسی حرکات وسکنات اور باتیں ہرگز نہ کی جائیں۔

جس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید جیسی کتابِ الٰہی کو نازل کیا گیا ہے، کیا وہ اسی قابل ہے کہ اس کو مذکورہ فضولیاو خرافات اور منکرات کی نظر کر دیا جائے۔

اور جس مہینے کے روزوں کو اس لئے فرض کیا گیا ہے، تاکہ اپنے اندر تقویٰ اور اللہ کا خوف پیدا کیا

جائے، کیا وہ مہینہ ایسی چیزوں کی نذر کرنے اور بھینٹ چڑھانے کے قابل ہے، جن سے تقویٰ اور اللہ کا خوف تو کیا پیدا ہوتا، رہا سہا تقویٰ بھی خراب ہو جاتا اور کمزور پڑ جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریلِ امین نے ایسے شخص کی ہلاکت کی دعاء کی ہے، جو ماہِ رمضان کو پائے، اور اپنی مغفرت بھی نہ کرا سکے۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ مذکورہ مشغلوں سے کونسی مغفرت حاصل ہوگی؟ بلکہ ان چیزوں میں مشغول ہونے سے تو مغفرت کا حصول بہت مشکل ہے۔

ماہِ رمضان کے روزہ اور عبادت کی یہ فضیلت ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

سال بھر گناہوں کا جو انبار اکھٹا ہوتا رہتا ہے، ماہِ رمضان کا مہینہ گیارہ مہینے گذرنے کے بعد اس لئے آتا ہے، تاکہ گناہوں کے بوجھ کو ختم، یا کم کیا جائے۔

تو کیا مذکورہ مشغلوں کو گناہوں کو دور کرنے کا ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے؟

ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا، ان کے ذریعہ سے مذکورہ فضائل حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ماہِ رمضان کے چند گنے چنے دن ہوتے ہیں، اور وہ آ کر بہت جلدی ختم ہو جاتے ہیں، ان کو اس طرح لاپرواہی، غفلت، فضولیات وخرافات اور منکرات کی نذر کر دینا، اور بھینٹ چڑھا دینا بہت بڑا نقصان ہے، جس کا صحیح اندازہ کل قیامت کے دن ہی ہو سکے گا۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ماہِ رمضان کے اوقات کو ضائع کرنے سے بچائے، اس کے رات اور دن کے اوقات کی قدر کرے، اور اس مہینہ کو مغفرت وجنت کے حصول کا سیزن سمجھ کر ان کاموں میں مشغول ہو، جن سے مغفرت اور جنت حاصل ہوتی ہے۔

ورنہ جو شخص ماہِ رمضان گذرنے کے باوجود اپنی مغفرت کا سامان حاصل نہیں کر سکا، اور وہ اللہ کے نبی اور اس کے عظیم فرشتے، جبریلِ امین کی مشترکہ بددعاء کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوا، اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ عید کی تیاری کی کوشش کرے، یا عید کی خوشی اور مباربادی کا اپنے آپ کو مستحق سمجھے۔

اللہ تعالیٰ ماہِ رمضان اور اس کے دن اور رات کے نہایت قیمتی اوقات کی قدر وقیمت کو سمجھنے اور ان کے مطابق اعمال کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط:08، آیت نمبر 11)

مفتی محمد رضوان

فوت شدہ کی میراث میں والدین کا حصہ

وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ ، اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ، فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ ، فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ ، مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ، اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا ، فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا (سورة النساء، رقم الآية ١١)

ترجمہ: اوراس (میت) کے والدین کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا (حصہ) ہے، اس سے جواس (میت) نے چھوڑا، اگر اس کی اولاد ہو، پھر اگر نہ ہو اس کی اولاد، اور وارث بن رہے ہوں، اس کے والدین، تو اس کی ماں کے لیے تہائی (حصہ) ہے، پھر اگر اس (میت) کے بھائی (یا بہنیں) ہوں، تو اس کی ماں کا چھٹا (حصہ) ہے، اس وصیت کے بعد، جس کی وصیت کی اس نے، یا دَین (قرض) کے بعد، تمہارے والدین اور تمہاری اولاد، تم نہیں جانتے ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے نفع کے اعتبار سے (یہ حصے) فریضہ ہیں، اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ ہے، علیم، حکیم (سورہ نساء)

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فوت ہونے والے کے والدین، یعنی ماں اور باپ کو ملنے والی میراث کے حصوں کا اصولی حکم بیان فرمایا ہے۔

اور فوت ہونے والے کے والد اور والدہ کو مختلف حالتوں میں ملنے والی میراث کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

فوت ہونے والے کے والد کو ملنے والی میراث کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت وہ ہے،جس میں فوت شدہ کے والد کوصرف بطور فرض کے میراث کا چھٹا حصہ ملتا ہے،یعنی جب فوت ہونے والے کا نرینہ بیٹا،یا بیٹے کا بیٹا،یعنی پوتا ہو۔

دوسری حالت وہ ہے،جس میں فوت شدہ کے والد کو بطورفرض چھٹا حصہ اوربطور عصبہ باقی ماندہ حصہ ملتا ہے،یعنی دونوں طریقوں پر میراث ملتی ہے،اور یہ وہ حالت ہے، جب فوت ہونے والے کی پہلی حالت کے مطابق نرینہ اولاد نہ ہو،البتہ مونث اولاد ہو،یعنی بیٹی،یا بیٹے کی بیٹی ہو۔

اس حالت میں والد کو پہلے چھٹا حصہ ملے گا،اور پھر بیوی، بیٹی،یا پوتی کی میراث کا حصہ دے کر باقی بچا ہوا مال بھی والد کو ملتا ہے۔

تیسری حالت وہ ہے،جس میں فوت ہونے والے کی مذکورہ دونوں حالتوں کے مطابق سرے سے کوئی بھی نرینہ وغیر نرینہ،یعنی مذکر و مونث اولاد نہ ہو۔

اس حالت میں والد کو سارا،یا دوسرے وارث، بیوی وغیرہ کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مال ملتا ہے۔ [1]

---

[1] للأب فی المیراث ثلاث حالات:

الأولی :أن یرث بطریق الفرض فقط، وذلک إذا کان للمیت فرع وارث مذکر، وهو الابن وابن الابن وإن نزل، ومیراثه فی هذه الحالة السدس.

الثانیة :أن یرث بالفرض وبالتعصیب معا، وذلک إذا کان للمیت فرع وارث مؤنث وهو البنت وبنت الابن مهما نزل أبوها.

وإنما ورث الأب بطریق الفرض أولا، ثم بطریق التعصیب، لأنه لو ورث بطریق التعصیب فقط لم یبق له شیء فی بعض الصور، فکان لا بد من أن یرث أولا بطریق الفرض حتی یضمن السدس.

الثالثة :أن یرث بطریق التعصیب فقط، وذلک إذا لم یکن للمیت فرع وارث مطلقا، فیأخذ الترکة کلها، أو الباقی منها بعد أصحاب الفروض.

والدلیل علی ما ذکر قوله تعالی :(ولأبویه لکل واحد منهما السدس مما ترک إن کان له ولد فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث فإن کان له إخوة فلأمه السدس)

فإن الآیة صریحة فی أن نصیب کل من الأب والأم السدس فی ترکة المتوفی إن کان له معهما ولد سواء أکان ذکرا أم أنثی، فإن کان هذا الولد ابنا کان له الباقی بعد الأبوین، لأنه أقرب العصبات وأحقهم بمیراث الباقی بعد سهام .ذوی الفروض، وذلک لقوله صلی الله علیه وسلم :ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورفوت ہونے والے کی والدہ کو ملنے والی میراث کی بھی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت وہ ہے، جب فوت ہونے والے کا نرینہ بیٹا، یا بیٹے کا بیٹا، یعنی پوتا ہو، اس حالت میں فوت ہونے والے کی والدہ کو صرف بطورفرض کے میراث کا چھٹا حصہ ملتا ہے۔

اوردوسری حالت وہ ہے، جب فوت ہونے والے کا نرینہ بیٹا، یا بیٹے کا بیٹا، یعنی پوتا نہ ہو، لیکن فوت ہونے والے کے ایک سے زیادہ، بھائی، یا بہنیں ہوں، یا بھائی، بہن مشترک ہوں۔

اس حالت میں بھی پہلی حالت کی طرح فوت ہونے والے کی والدہ کو صرف بطورفرض کے میراث کا چھٹا حصہ ملتا ہے۔

اورتیسری حالت وہ ہے، جب مذکورہ دونوں حالتوں کے مطابق نہ تو فوت ہونے والے کا نرینہ بیٹا، یا بیٹے کا بیٹا ہو، اور نہ ہی فوت ہونے والے کے ایک سے زیادہ، بھائی، یا بہنیں ہوں، یا بھائی، بہن ہوں۔

اس حالت میں فوت ہونے والے کی والدہ کو تہائی حصہ ملتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلأولى رجل ذكر وعلى ذلك يكون ميراث الأب هو السدس فرضا، وهذه هى الحالة الأولى من حالات الأب.

وإن كان ولد المتوفى بنتا، أو بنت ابن وإن نزل ولم يكن معها فرع ذكر يعصبها كان الباقى -بعد نصيب البنت أو بنت الابن -للأب مع السدس الذى هو فرضه .وذلك باعتباره أقرب العصبات إلى المتوفى، وهذه هى الحالة الثانية.

وإن لم يكن للمتوفى ولد مطلقا وورثه أبواه فقط ولم يكن له إخوة كان لأمه فى هذه الحالة الثلث، ويكون الباقى وهو الثلثان للأب بطريق التعصيب وهى الحالة الثالثة، لأن الآية ذكرت فرض الأم وهو الثلث عند عدم وجود الإخوة، والسدس عند وجود الإخوة، ولم تذكر فرضا للأب عند عدم الإخوة، فكان مدلول ذلك أن الأب يرث الباقى بعد نصيب الأم، لأن ذلك شأن العصبات، والأحكام المذكورة محل اتفاق بين فقهاء المذاهب الأربعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳،ص ۱۳،مادة"ارث")

[1] نصيب الأم فى الفروض المقدرة فى كتاب الله تعالى إما السدس أو الثلث، فتأخذ السدس فى حالتين:

إذا كان للميت ولد، أو ولد ولد.

إذا كان معها عدد من الإخوة والأخوات وليس للميت ولد أو ولد ولد.

وتأخذ ثلث التركة إن لم يكن معها من ذكر وتفرد الأبوان بالميراث، لقوله تعالى :(ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث فإن كان له إخوة فلأمه السدس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فوت ہونے والے کے والدین کو ملنے والی میراث کی مذکورہ صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

”مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ“

”اس وصیت کے بعد، جس کی وصیت کی اس نے، یا دَین (وقرض) کے بعد“

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میراث کے حصوں کے ملنے کا جو حکم بیان کیا گیا، وہ عمل فوت ہونے والے نے کوئی وصیت کی ہو، یا اس پر کوئی دین وقرض ہو، تو اس کو ادا کرنے کے بعد انجام دیا جائے گا۔

یعنی اگر فوت ہونے والے نے کوئی ایسی وصیت کی ہو، جس کا شریعت اعتبار کرتی ہے، تو میراث کی تقسیم سے پہلے اس وصیت کو پورا کیا جائے گا، پھر جو مال بچے گا، اس کو ہی میراث میں تقسیم کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر فوت ہونے والے کے ذمہ کوئی مالی دَین، اور قرض ہو، تو میراث کی تقسیم سے پہلے اس کو ادا کیا جائے گا، اس کی ادائیگی کے بعد اگر مال بچے، تو ہی باقی ماندہ مال میں سے میراث کو تقسیم کیا جائے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن كان مع الأبوين أحد الزوجين فإن فرض الأم لم يرد فى القرآن الكريم، وهى المسألة العمرية.
وقد اختلف الصحابة فى فرضها، فذهب أكثر الصحابة وجمهور الفقهاء إلى أن فرضها ثلث ما يبقى بعد فرض الزوج أو الزوجة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص٣٣٠، مادة”عمرية“)

ميراث الأم:

للأم فى الميراث ثلاث حالات:

أولها :أن ترث بطريق الفرض ويكون فرضها السدس .وذلك إذا كان للميت فرع يرث بطريق الفرض أو التعصيب أو جمع من الإخوة......

الحالة الثانية :أن ترث بطريق الفرض ويكون فرضها هو ثلث التركة كلها، وذلك إذا لم يكن للميت فرع وارث، ولا عدد من الإخوة، وليس فى الورثة أحد الزوجين، ولم يكن معها إلا الأب لقوله تعالى :(ولأبويه لكل واحد منهما السدس مماترك إن كان له ولد فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث).

الحالة الثالثة :أن ترث بطريق الفرض ويكون فرضها هو ثلث الباقى من التركة بعد فرض أحد الزوجين وليس ثلث التركة كلها، وذلك إذا توفى الميت عن الأم والأب وأحد الزوجين ولم يوجد جمع من الإخوة.
وتسمى الحالة الثالثة بصورتيها بالمسألتين العمريتين، لأن عمر بن الخطاب هو الذى قضى فيهما بما سبق.
وتسمى أيضا الغراوية أى المشهورة .نظرا لشهرتها .وتسمى أيضا بالغربية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص٣٢، مادة”ارث“)

www.idaraghufran.org

اور اس جگہ ''دَین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

عربی زبان میں ''دَین'' اس مالی حق کو کہا جاتا ہے، جو دینا ضروری ہو، جس میں قرض بھی داخل ہے، کیونکہ وہ بھی دینا پڑتا ہے، اور قرض کے علاوہ دوسرا ''دَین'' بھی داخل ہے، جیسا کہ کسی سے کوئی چیز خریدی تھی، اور اس کی قیمت اداء کرنا ذمہ میں باقی تھا، اسی طرح کسی کی اجرت ذمہ میں باقی تھی، اس طرح کی ذمہ میں واجب الاداء قیمت، یا اجرت بھی ''دَین'' میں داخل ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ قرض دراصل ''دَین'' کی ایک قسم ہے، اور ''دَین'' میں قرض بھی داخل ہے، اور قرض کے علاوہ بھی دوسری شکل کا ''دَین'' یعنی قیمت اور اجرت وغیرہ بھی داخل ہے۔

اگر بالفرض ''دَین'' اتنی زیادہ مقدار میں تھا کہ فوت ہونے والے کا چھوڑا ہوا سارا مال ہی اس مد میں ختم ہو گیا، تو پھر وارثوں کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اور اگر فوت ہونے والے نے نہ تو کوئی وصیت کی ہو، اور نہ ہی اس پر قرض ہو، تو پھر اس کے بغیر ہی میراث کی تقسیم کے عمل کو انجام دیا جائے گا۔

اور شرعی اعتبار سے ''وصیت'' اس عمل کو کہا جاتا ہے کہ فوت ہونے سے پہلے اپنی زندگی میں انسان، باہوش وحواس اپنے مرنے کے بعد کسی عمل کو سرانجام دیئے جانے کی تلقین کر دے۔

مثلاً تحریری، یا زبانی طور پر یہ طے کر دے کہ میرے بعد میرے مال میں سے تہائی حصہ، یا اتنا مال، یا میرا فلاں مال صدقہ کر دیا جائے، وغیرہ، وغیرہ۔

مالی ''وصیت'' کے کچھ احکام ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر فوت ہونے والے کے ذمہ دَین وقرض بھی ہو، اور اس نے وصیت بھی کی ہو، تو دین وقرض کی ادائیگی کو وصیت کی ادائیگی پر مقدم رکھا جائے گا۔

اور وصیت کی ادائیگی فوت ہونے والے کے مال میں سے تہائی حصہ تک پوری کی جائے گی، اس کے بعد باقی مال کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

---

[1] الـديـن عام شامل للقرض وغيره مما يثبت فى الذمة كالسلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۷۸، مادة ''استقراض'' حرف الألف)

اوراگرفوت ہونے والے نے اتنے مال کی وصیت کی کہ قرض وغیرہ کی ادائیگی کے بعداس کی مقدار تہائی سے سے زیادہ بنتی ہے،تو تہائی سے زیادہ مقدار وارثوں کی میراث کا حق شمار ہوگی۔ [1]

پھراللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ:

''اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا''

''تمہارے والدین اورتمہاری اولاد،تم نہیں جانتے ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے نفع کے اعتبار سے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس صورت میں میراث کا جتنا حصہ مقرر کیا گیا ہے، اس کوخوش دلی سے قبول کرنا چاہیے،اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ فلاں شخص زیادہ، یا کم حقدار تھا،اس کو زیادہ، یا کم حصہ ملنا چاہیے تھا،وغیرہ وغیرہ۔

اللہ کوتم سے زیادہ علم ہے کہ اولاد، یاوالدین وغیرہ میں سے کون زیادہ نفع والا رشتہ دار ہے۔

پھراس کے بعداللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ''

''فریضہ ہے،اللہ کی طرف سے''

مطلب یہ ہے کہ پیچھے میراث کے جو حصے جس کے لئے مقرر کئے گئے، وہ اللہ کی طرف سے فریضہ

---

[1] وقد اتفق الفقهاء على أن تنفيذ ما يوصى به الميت يجيء بعد الدين وقبل أخذ الورثة أنصباء هم من التركة؛ لقوله تعالى :(من بعد وصية يوصى بها أو دين) ولا يكون تنفيذ ما يوصى به من أصل المال؛ لأن ما تقدم من التكفين وقضاء الدين قد صار مصروفا فى ضروراته التى لا بد منها، والباقى هو ماله الذى كان له أن يتصرف فى ثلثه .وأيضا ربما استغرق ثلث الأصل جميع الباقى، فيؤدى إلى حرمان الورثة بسبب الوصية، وهذا سواء أكانت الوصية مطلقة أم معينة.

وتقديم الوصية على الدين فى الآية الكريمة لا يفيد التقديم فعلا كما تبين من قبل وإنما يفيد العناية بأمر وصية الميت، وإن كانت تبرعا منه، كى لا تشح نفوس الورثة بإخراجها من التركة قبل توزيعها بينهم.

ومن هنا تقدم ذكرها على الدين تنبيها على أنها مثله فى وجوب الأداء أو المسارعة إليه، ولذلک جيء بينهما بأو التى هى هنا للتسوية.

وتقديم الوصية على حقوق الورثة ليس على إطلاقه؛ لأن تنفيذ الوصية مقيد بحدود الثلث، فإن كان الموصى به شيئا معينا أخذه، وإن كان بثلث أو ربع مثلا كان الموصى له شريكا للورثة فى التركة بنسبة نصيبه الموصى له به، لا مقدما عليهم .فإذا نقص المال لحقه النقص، وهذا بخلاف التجهيز والدين، فإنهما متقدمان حقا على الوصية وحقوق الورثة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١، ص ٢٢٣، مادة"تركة")

ہیں، ان کو بہر حال اسی طرح اداء کرنا فرض ہے، ان میں کمی، زیادتی کے احتمال کی گنجائش نہیں۔

اسی نسبت سے ان افراد کو جن کے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورفرض طے کر دیئے گئے، ان کو ’’ذوی الفروض‘‘ کہا جاتا ہے۔

اوران کے مقابلہ میں وہ رشتہ دار افراد جن کو فریضہ کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ حصہ ملتا ہے، وہ ’’عصبہ‘‘ کہلاتے ہیں۔

اورعصبہ وہ بھی ہوسکتے ہیں، جو’’ذوی الفروض‘‘ بھی ہیں، جیسا کہ اگرفوت ہونے والے کی اولاد نہ ہو، تو والد، اور والدہ کو چھٹا حصہ ملنے کے بعد، جو مال بچے گا، وہ بھی والد کو ہی مل جائے گا۔

اوربعض اوقات ایک فرد صرف ’’ذوی الفروض‘‘ ہی ہوتا ہے، جیسا کہ والدہ صرف ’’ذوی الفروض‘‘ میں سے ہے۔

پھر مذکورہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

’’اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا‘‘

’’بے شک اللہ ہے، علیم، حکیم‘‘

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ایک صفت علیم ہونا اور ایک صفت حکیم ہونا ہے۔

اس لئے اللہ کا جو حکم ہے، وہ اس کے کامل علم اور کامل حکمت کی روشنی میں طے ہوتا ہے، اس کے کامل علم، اور حکمت کا تمہارے ناقص علم اور حکمت سے کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

اس لئے اللہ کے حکم کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لینا چاہیے، اور کوئی اعتراض وشبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے باوجود کوئی اپنے دل، زبان، یا عمل سے اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حرکت کرے گا، تو وہ اللہ کے علم میں ہوگی، اور اللہ کو اس کے متعلق باز پرس کرنے کا حق ہوگا۔

مسجدوں، مدرسوں، دفتروں اور گھروں کے لیے یکساں مفید

نقشہ اوقاتِ نماز، سحر و افطار (برائے راولپنڈی واسلام آباد شہر)

جاری کردہ: ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی 051-5507270

www.idaraghufran.org

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

حجاج بن یوسف (قسط:8)

اور علامہ انور شاہ کشمیری سنن ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

المبير هو حجاج بن يوسف ظالم هذه الأمة، والكذاب هو مختار بن أبى عبيد وأخته صفية بنت أبى عبيد زائدة زوجة ابن عمر، ويروى عن أحمد بن حنبل أن حجاجا كافر (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج٣،ص١٧٤، كتاب الفتن،باب ما جاء فى ثقيف كذاب ومبير)

ترجمہ: ''مبیر'' سے مراد ''حجاج بن یوسف'' ہے، جو اس مت کا ظالم شخص ہے، اور ''کذاب'' سے مراد ''مختار بن ابی عبید ہے، اس کی بہن ''صفیہ بنتِ ابی عبید زائدہ'' ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔

اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ حجاج، کافر ہے (العرف الشذی)

اور علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

الحجاج بن يوسف، فكان لا يقبل من محسنهم ولا يتجاوز عن مسيئهم (منهاج السنة النبوية، ج٢،ص٩٢،٩٣، الفصل الثانى، الرد على القسم الأخير من المقدمة)

ترجمہ: حجاج بن یوسف، ایسا تھا، جو نہ تو لوگوں کی اچھائیوں کو قبول کرتا تھا، اور نہ ہی ان کی برائیوں کو معاف کرتا تھا (منہاج)

نیز علامہ ابنِ تیمیہ مزید فرماتے ہیں:

الحجاج بن يوسف فإنه أظلم من يزيد باتفاق الناس (منهاج السنة النبوية، ج٤،ص٥٦٧، الفصل الثانى، مزاعم الرافضى عن يزيد بن معاوية)

ترجمہ: حجاج بن یوسف کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ ''یزید'' سے بڑا ظالم تھا (منہاج)

www.idaraghufran.org

معلوم ہوا کہ بعض اہلُ السنۃ کے نزدیک ''حجاج بن یوسف'' فاسق وظالم ہونے کے بجائے ''کافر'' شمار ہوتا ہے، اور ''حجاج'' کا ظلم بھی ''یزید'' سے بڑا اور شدید شمار کیا گیا، اور قرار دیا گیا ہے۔

اہلِ تشیع نے ''حجاج'' کے کافر ہونے کو ترجیح دی ہے۔

لیکن بعد کے اکثر محققینِ اہل السنۃ نے کفر میں تاویل واحتیاط کے پیشِ نظر ''حجاج بن یوسف'' کو کافر قرار دینے سے اجتناب کیا ہے، اور انہوں نے ''کفرِ استلزامی'' اور ''کفرِ التزامی'' میں فرق کیا ہے۔

اسی طرح ''مختار بن ابی عبید'' کے ''کذاب'' ہونے کی توجیہات میں بھی مختلف اقوال ہیں، جن میں بعض اقوال اس کے کافر ہونے، اور بعض فاسق ہونے کا تقاضا کرتے ہیں۔

وہ الگ بات ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیات کے کفر، یا فسق کے اقوال کی توجیہات الگ الگ نوعیت کی ہوں۔

اس موقع پر بعض اہل السنہ نے ''مختار بن ابی عبید ثقفی'' کے کافر ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے۔

لیکن دیگر محققین اہل السنہ نے ''حجاج بن یوسف'' کی طرح ''مختار بن ابی عبید ثقفی'' پر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا، اور ''کفرِ استلزامی'' کو ''کفرِ التزامی'' قرار نہیں دیا۔

جہاں تک بعض احادیث کی رو سے حجاج اور مختار دونوں کے کذاب ہونے کا تعلق ہے، تو محققین کی طرف سے اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ بعض احادیث میں ''کذاب'' بول کر اس طرح کے افراد کو بھی مراد لیا گیا ہے، جو بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے ہوں۔ [1]

اور ہمارے نزدیک یہی راجح، اور احتیاط پر مبنی ہے کہ ''حجاج ثقفی'' کو کافر قرار دینے سے اجتناب کیا جائے، اور ''مختار ثقفی'' کو بھی کافر قرار دینے سے اجتناب کیا جائے۔

---

[1] عن أبی هریرة، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامةولا یزکیهم (قال أبو معاویة: ولا ینظر إلیهم) ولهم عذاب ألیم: شیخ زان .وملک کذاب .وعائل مستکبر ."(صحیح مسلم،رقم الحدیث ۱۰۷ "۱۷۲"باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة وتنفیق السلعة بالحلف الخ)

(وملک کذاب) أی : کثیر کذب أو ذو کذب بناء علی أن الصیغة للمبالغة، أو النسبة، والثانی أبلغ(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج۸،ص ۳۱۹۰، کتاب الآداب،باب الغضب والکبر)

اور کسی ایک شخصیت کے خلاف چند مخصوص قسم کی روایات، واقوال کو لے کر یکطرفہ حکم لگانے سے بچا جائے، جیسا کہ متعدد اہلِ سنت، یا اہلِ تشیع کی طرف سے اس قسم کا یکطرفہ حکم لگایا جاتا ہے۔

حجاج بن یوسف سے متعلق دیگر روایات وعبارات

حجاج بن یوسف کی بحث کے ضمن میں امام بیہقی نے مندرجہ ذیل روایات نقل کی ہیں کہ:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ اگر ہر امت اپنی خبیث چیزوں کو لائے، اور ہم حجاج کو لائیں، تو ہم اس کی وجہ سے دوسری امتوں کی خباثت پر غالب آ جائیں گے''۔

عاصم بن ابی النجود کہتے ہیں کہ ''حجاج نے اللہ کی ہر حرمت کو پامال کیا''۔ انتہٰی۔ [1]

امام حاکم، اور طحاوی نے ہلال بن یساف سے روایت کیا ہے کہ:

''مجھے اس شخص نے جو عبداللہ بن زبیر کے پاس مختار کا سر لے کر آیا تھا، بیان کیا کہ جب عبداللہ بن زبیر نے اس کو دیکھا، تو فرمایا کہ مجھے حضرت کعب نے جو بھی حدیث بیان کی، اس کو میں نے سچ پایا، سوائے اس حدیث کے، جو انہوں نے مجھے حدیث بیان کی تھی کہ عنقریب مجھے ثقیف قبیلہ کا ایک آدمی قتل کرے گا۔

حضرت اعمش کہتے ہیں کہ ابنِ زبیر یہ بات نہیں جانتے تھے کہ ابو محمد، یعنی حجاج

---

[1] أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، حدثنا الحسين بن الحسن بن أيوب، حدثنا أبو حاتم الرازى، حدثنا عبد الله بن يوسف بن التنيسى حدثنا هشام بن يحيى ابن يحيى الغسانى قال :قال عمر بن عبد العزيز :لو جاء ت كل أمة بخبيثها وجئنا بالحجاج لغلبناهم.

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ حدثنا أحمد بن يعقوب الثقفى حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمى حدثنا أحمد بن عمران الأخنسى، حدثنا أبو بكر بن عياش عن عاصم بن أبى النجود قال :ما بقيت لله حرمة إلا وقد انتهكها الحجاج.

أخبرنا أبو طاهر الفقيه أخبرنا أبو بكر محمد بن الحسين القطان حدثنا أحمد بن يوسف السلمى حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر عن ابن طاووس قال:دخل رجل على أبى فقال :مات الحجاج بن يوسف يا أبا عبد الرحمن !قال:فقال أبى :اربعوا على أنفسكم حبس رجل عليه لسانه وعلم ما يقول فقال له الرجل :يا أبا عبد الرحمن برح الخفاء هذا نساء وافد بن سلمة قد نشرن أشعارهن وخرقن ثيابهن ينحن عليه .قال :أفعلوا؟ قال :نعم، قال :فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين(دلائل النبوة،للبيهقى،ج٦،ص ٤٨٩،جماع أبواب إخبار النبى صلى الله عليه وسلم بالكوائن بعده، وتصديق الله جل ثناؤه رسوله صلى الله عليه وسلم فى جميع ما وعده،باب ما جاء فى إخباره بالمبير الذى يخرج من ثقيف وتصديق الله سبحانه قوله فى الحجاج بن يوسف الثقفى غفر الله لنا ولجميع المسلمين)

ثقفی ''اللہ اس کو ذلیل کرے'' ان کے قتل کی تیاری میں ہے''۔انتہیٰ۔ ۱

اور طبرانی کبیر میں محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

''عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ہم سے جو حدیث بھی حضرت کعب نے بیان کی، وہ پوری ہوکر رہی، سوائے اس کے جو انہوں نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف کا جوان مجھے (یعنی عبد اللہ بن زبیر کو) قتل کرے گا، حالانکہ مختار ثقفی کا یہ سر میرے ہاتھ میں ہے (اس لئے کعب کی یہ بات پوری نہیں ہوئی) ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کو اس بات کا شعور نہیں تھا کہ ابو محمد، یعنی حجاج ثقفی، ان کے قتل کے لئے چھپا بیٹھا ہے (ثقفی نوجوان سے یہی مراد ہے، پس کعب کی یہ بات بھی پوری ہوکر رہی)''۔انتہیٰ۔ ۲

علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس روایت کے راوی صحیح ہیں۔ ۳

---

۱ حدثنا أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه، ثنا موسى بن هارون، حدثني سعيد بن يحيى بن سعيد الأموى، حدثني أبى، عن الأعمش، عن شمر بن عطية، عن هلال بن يساف، حدثني البريد الذى أتى ابن الزبير برأس المختار، فلما رآه قال ابن الزبير: ما حدثني كعب بحديث إلا وجدت مصداقه، إلا أنه حدثني، أن رجلا من ثقيف سيقتلني .

قال الأعمش: وما يدرى أن أبا محمد ـ خذله الله ـ خبأ له(المستدرك للحاكم،رقم الحديث ٦٣٣٣، كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم)

حدثنا يونس، وبحر جميعا قالا: حدثنا يحيى بن حسان قال: حدثنا: أبو أسامة، عن الأعمش، عن شمر بن عطية، عن هلال بن يساف قال: حدثني البريد الذى قدم برأس المختار على عبد الله بن الزبير قال: فلما وضعته بين يديه قال: ما حدثني كعب بحديث إلا وجدته كما حدثني إلا هذا ، فإنه حدثني أنه يقتلني رجل من ثقيف ، وها هو هذا قد قتلته قال: الأعمش ، وما يعلم أن أبا محمد يعنى الحجاج مرصد له بالطريق (شرح مشكل الآثار،للطحاوى، ج٧، ص ٤٠٦،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حمل رء وس القتلى المقتولين نكالا من بلد إلى بلد)

۲ حدثنا إسحاق بن إبراهيم الدبرى، عن عبد الرزاق، عن معمر، عن أيوب، عن ابن سيرين قال: قال ابن الزبير: " ما شيء كان يحدثناه كعب إلا قد أتى على ما قال إلا قوله فتى ثقيف يقتلني، وهذا رأسه بين يدى، يعني: المختار، قال ابن سيرين: ولا يشعر أن أبا محمد قد خبء له، يعني: الحجاج "(المعجم الكبير للطبرانى، ج١٣ ص ٩٢،رقم الحديث ٢٢٩)

۳ قال الهيثمي:رواه الطبراني، ورجاله رجال الصحيح.(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ١٢٠٨٤ ،باب فيما كان من أمر ابن الزبير)

اس واقعہ کوعبدالرزاق نے بھی اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔ [1]

مختار ثقفی کے قتل کے صرف پانچ سال بعد عبداللہ بن زبیر کو''حجاج ثقفی'' نے بے دردی سے قتل کر دیا تھا،اوراس طرح عبداللہ بن زبیر کوثقفی قبیلہ کے ایک شخص کے قتل کرنے کی حدیث کی پیش گوئی بھی پوری ہوکر رہی۔

ابوبکرخلال نے صلت بن دینار سے روایت کیا ہے کہ:

''حجاج بن یوسف نے مقامِ واسط کے منبر پر کھڑے ہوکر کہا کہ عبد اللہ بن مسعود، منافقوں کا سردار ہے،اگر میں اس کو پالیتا،تو زمین کو اس کے خون سے سیراب کردیتا''۔انتہٰی۔ [2]

حافظ ذہبی نے بھی''تاریخُ الاسلام''میں حجاج بن یوسف کی طرف سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے کی روایات نقل کی ہیں۔ [3]

---

[1] أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن بن سيرين قال قال بن الزبير ما شيء كان يحدثناه كعب إلا قد أتى على ما قال إلا قوله إن فتى ثقيف يقتلني وهذا رأسه بين يدى -يعني المختار -قال بن سيرين ولا يشعر أن أبا محمد قد خبيء له -يعني الحجاج (مصنف عبد الرزاق،الجامع ـ معمر بن راشد، ،رقم الحديث ٢٠٧٥٥، باب الفتن)

[2] أخبرنا الدورى، قال :ثنا مسلم بن إبراهيم، قال :ثنا الصلت بن دينار، قال :سمعت الحجاج، على منبر واسط يقول :عبد الله بن مسعود رأس المنافقين، لو أدركته لسقيت الأرض من دمه(السنة،لابى بكر الخَلَّال ،ج٣ص ٥٦٤،رقم الحديث ٨٥٥،ذكر الفتن من بنى أمية وغيرهم)

[3] وقال أبو بكر بن عياش، عن عاصم :سمعت الحجاج، وذكر هذه الآية :(فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطيعوا)، فقال :هذه لعبد الله، لأمين الله وخليفته، ليس فيها مثنوية، والله لو أمرت رجلا يخرج من باب هذا المسجد، فأخذ من غيره لحل لى دمه وماله، والله لو أخذت ربيعة بمضر لكان لى حلالا، يا عجبا من عبد هذيل يزعم أنه يقرأ قرآنا من عند الله، ما هو إلا رجز من رجز الأعراب، والله لو أدركت عبد هذيل لضربت عنقه .رواها واصل بن عبد الأعلى شيخ مسلم، عن أبى بكر.

قاتل الله الحجاج ما أجرأه على الله، كيف يقول هذا فى العبد الصالح عبد الله بن مسعود!

قال أبو بكر بن عياش :ذكرت قوله هذا للأعمش، فقال :قد سمعته منه.

ورواها محمد بن يزيد، عن أبى بكر، فزاد :ولا أجد أحدا يقرأ على قراءة ابن أم عبد إلا ضربت عنقه، ولأحكنها من المصحف ولو بضلع خنزير.ورواها ابن فضيل، عن سالم بن أبى حفصة.

وقال الصلت بن دينار :سمعت الحجاج يقول :ابن مسعود رأس المنافقين، لو أدركته لأسقيت الأرض من دمه (تاريخ الاسلام للذهبى،ج٢،ص ١٠٧١ الطبقة العاشرة،حرف الحاء،تحت ترجمة:الحجاج بن يوسف بن الحكم)

اور مسلم بن ابراہیم سے روایت ہے کہ:

’’جب حجاج نے، حضرت سعید بن جبیر کو قتل کیا، تو حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ حجاج نے اللہ کے ایسے نور کو بجھا دیا، جس کے مثل روئے زمین پر دوسری روشنی نہیں‘‘۔

انتھٰی۔ [1]

ابنِ ابی شیبہ نے علی بن مسہر سے روایت کیا ہے کہ:

’’ربیع بن ابی صالح کہتے ہیں کہ جب سعید بن جبیر کو مکہ مکرمہ سے کوفہ کی طرف لایا گیا، تا کہ ان کو حجاج بن یوسف کے پاس مقامِ واسط کی طرف لے جایا جائے، تو ہم سعید بن جبیر کے پاس تین، یا چار افراد آئے، تو ہم نے سعید بن جبیر کو لکڑی کے کوڑے دان میں پایا، ہم آپ کے پاس بیٹھ گئے، اور ہم میں سے ایک آدمی رونے لگا، سعید بن جبیر نے فرمایا کہ تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا کہ آپ کی اس پیش آنے والی حالت کو دیکھ کر مجھے رونا آ رہا ہے، تو سعید بن جبیر نے فرمایا کہ تم مت روؤ، یہ سب اللہ کے علم میں پہلے سے ہے، پھر سعید بن جبیر نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

’’مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ ، وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا، إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ‘‘ [2]

(جاری ہے............)

---

[1] حدثنا يوسف بن الضحاك، نا مسلم بن إبراهيم، عن الحسن بن أبي جعفر؛ قال: لما قتل الحجاج سعيد بن جبير قال الحسن البصرى: لقد أطفأ من نور الله شيئا ما أصبح على وجه الأرض مثله.(المجالسة وجواهر العلم،للدينورى، ج٦ ص١٨ ،رقم الحديث ٢٣٢٠)

[2] حدثنا على بن مسهر ، عن الربيع بن أبى صالح ، قال : لما قدم سعيد بن جبير من مكة إلى الكوفة لينطلق به إلى الحجاج إلى واسط ، قال : فأتيناه ونحن ثلاثة نفر ، أو أربعة ، فوجدناه فى كناسة الخشب فجلسنا إليه ، فبكى رجل منا ، فقال له سعيد : ما يبكيك ، قال : أبكى للذى نزل بك من الأمر ، قال : فلا تبك فإنه قد كان سبق فى علم الله يكون هذا ، ثم قرأ :”ما أصاب من مصيبة فى الأرض ، ولا فى أنفسكم إلا فى كتاب من قبل أن نبرأها إن ذلك على الله يسير“مصنف ابنِ ابى شيبة،رقم الحديث ٣١٢٦٢، كتاب الأمراء،ما ذكر من حديث الأمراء والدخول عليهم)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

دھوکہ وفریب والے عمل کی برائی

(25-رجب المرجب-1447ھ)

آج کے دور میں شہرت اورنام ونمود کی خاطر، دھوکہ دہی اورفریب کاری کی ایسی کئی صورتیں رواج پکڑ گئی ہیں، جن کی احادیث میں ممانعت آئی ہے

جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ محض اپنی ناک اونچی کرنے اوراپنے آپ کو مال داراوردولت مند ظاہرکرنے کے لئے شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر مہنگے ترین کپڑے اور یہاں تک کہ زیورکرایہ پر لے کراستعمال کرتے ہیں،تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ مال داراوردولت مندلوگ ہیں،اسی لئے اتنے مہنگے کپڑے اورزیورتیارکرائے۔

اسی طرح بعض لوگ کسی کے یہاں جانے کے لئے مہنگی ترین گاڑی اس لئے کرایہ پر لے کر جاتے ہیں،تاکہ دیکھنے والے،ان کو مال داراوردولت مند سمجھیں۔

بعض لوگ قرض لے کر،یعنی دوسرے کے پیسے سے مہنگی رسمیں سرانجام دیتے ہیں،اوردیکھنے والے اجنبی لوگوں کا پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس نے دوسرے سے قرض لے کر یہ رسم انجام دی ہے، بظاہروہ یہی سمجھتے ہیں کہ اس کی ملکیت میں بہت مال ودولت ہے۔

اس طرح کی اوربھی کئی دوسری صورتیں معاشرہ میں بہت رواج پکڑتی جارہی ہیں،جن سے مقصود اپنی شہرت اورنام ونمود ہوتا ہے،اورافسوس کہ ان کوگناہ بھی نہیں سمجھا جاتا۔

حضرت اسماءرضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي ضَرَّةً، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

www.idaraghufran.org

الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۵۲۱۹)

ترجمہ: ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، تو کیا میرے لئے کوئی حرج ہے کہ میں (اس پر برتری ظاہر کرنے کے لئے) اپنے شوہر کی طرف سے، اس چیز کا اظہار کروں، جو اس (یعنی میرے شوہر) نے مجھے نہیں دی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز نہ دی گئی ہو، اس کا اظہار کرنے والا، ایسا ہی ہے، جیسا کہ جھوٹ (اور مکروفریب) کے دو کپڑے پہننے والا (صحیح بخاری)

دو جھوٹے کپڑے پہننے والے اس لئے فرمایا گیا کہ ایک تو یہ اپنی چیز نہیں، اور دوسرے یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ یہ میری چیز ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :-مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۶۰۷، بَاب مَنْ لَبِسَ شُهْرَةً مِنْ الثِّيَاب) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شہرت والا لباس پہنا، تو اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت والا لباس پہنائے گا، پھر اس ذلت والے لباس میں آگ کو بھڑکائے گا (سنن ابنِ ماجہ)

شہرت والے لباس کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا کہ لباس پہن کر انسان ہر جگہ آتا، جاتا ہے، اور اس کا دوسروں کے سامنے خود بخود اظہار ہو جاتا ہے، ورنہ شہرت والا مکان، شہرت والی سواری، گاڑی، اور شہرت والی دوسری چیزوں پر بھی یہی وعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ شہرت، نام ونمود اور فخر و گھمنڈ ہے، لیکن آج لوگ ہر چیز میں شہرت اور نام ونمود پر لٹے پٹے پھرتے ہیں، جس سے اہلِ علم واہلِ دین بھی کم ہی محفوظ رہ پا سکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية سنن ابنِ ماجه)

تکلف کی برائی

(25-رجب المرجب-1447ھ)

آج انسانوں نے اپنی معاشرت کو انتہائی پر تکلف بنالیا ہے، جس میں زندگی کے قیمتی اوقات کے ساتھ ساتھ مال و دولت بھی پانی کی طرح بہتا ہے۔

زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ باقی رہ گیا ہو، جس میں تکلفات کی بھرمار نہ ہو، پیدائش سے لے کر وفات تک تکلفات پر مبنی رسموں نے ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، شادی بیاہ، اور غمی وخوشی کی ہر رسم وتقریب، یہاں تک کہ دینی مجالس ومحافل بھی تکلف پر مشتمل طور وطریقوں سے کم ہی بچ پاسکی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ زندگی میں برکت دکھائی دیتی، نہ مال میں برکت نظر آتی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اور اسلافِ عظام کی زندگی، تکلفات سے پاک تھی، اس لئے وہ حضرات تھوڑے وقت میں وہ خدمات سرانجام دے کر چلے گئے، جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی، اور اس کی برکات آخرت میں بھی علیٰ رؤوسِ الخلائق ظاہر ہوں گی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ .وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ(سورة ص، رقم الآية ٨٦)

ترجمہ: اور کہہ دیجئے آپ کہ نہیں سوال کرتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کسی اجرت کا، اور نہیں ہوں میں تکلف کرنے والوں میں سے (سورہ حجرات)

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تکلف کرنے والے لوگوں کی جماعت سے تعلق نہیں، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تکلف کو اختیار نہیں فرمایا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تکلف کرنے سے منع فرمادیا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ: نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٧٢٩٣، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه)

ترجمہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تکلف سے

منع کیا گیا ہے (بخاری)

یعنی ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تکلف اختیار کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔

حضرت شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْتُ أَنَا وَصَاحِبٌ لِی عَلَی سَلْمَانَ، رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَرَّبَ إِلَیْنَا خُبْزًا وَمِلْحًا فَقَالَ :لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ لَتَكَلَّفْتُ لَكُمْ.

فَقَالَ صَاحِبِی :لَوْ كَانَ فِی مِلْحِنَا سَعْتَرٌ فَبَعَثَ بِمِطْهَرَتِهِ إِلَی الْبَقَّالِ فَرَهَنَهَا فَجَاءَ بِسَعْتَرٍ فَأَلْقَاهُ فِیهِ فَلَمَّا أَكَلْنَا قَالَ صَاحِبِی :الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی قَنَعَنَا بِمَا رَزَقَنَا، فَقَالَ سَلْمَانُ :لَوْ قَنَعْتَ بِمَا رُزِقْتَ لَمْ تَكُنْ مِطْهَرَتِی مَرْهُونَةً عِنْدَ الْبَقَّالِ(المستدرک للحاکم،رقم الحدیث ۷۱۴۶) [1]

ترجمہ: میں اور میرے ایک ساتھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو انہوں نے ہمیں روٹی اور نمک پیش کیا، اور فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تکلف سے منع نہ کیا ہوتا، تو میں تمہارے لئے تکلف کرتا۔

پھر میرے ساتھی نے کہا کہ اگر ہمارے نمک میں سعتر (نام کی سبزی) ہوتی، تو اچھا تھا۔

پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے برتن کو سبزی فروش کے پاس بھیج کر رہن رکھوایا، اور سعتر (نامی سبزی) کو منگوایا، اور اسے نمک میں ڈالا، پھر جب ہم نے کھانا کھالیا، تو میرے ساتھی نے کہا کہ تمام تعریفیں، اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں اپنے عطاء کردہ رزق پر قناعت بخشی۔ اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم اس رزق پر قناعت کرتے، جو تمہیں (اللہ کی طرف سے) عطاء کیا گیا تھا، تو (اس وقت) میرا برتن سبزی فروش کے پاس رہن رکھا ہوا نہ ہوتا (حاکم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ محمد کی ایک آیت تلاوت فرما کر اس کا مصداق حضرت سلمان فارسی

[1] قال الحاکم: هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ وَلَهُ شَاهِدٌ بِمِثْلِ هَذَا الْإِسْنَادِ وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح

www.idaraghufran.org

رضی اللہ عنہ،اوران کی قوم کوقرار دیا تھا،اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر دین ،ثریا ستارہ پر بھی ہوتا،تو فارس کے یہ لوگ دین کووہاں سے بھی حاصل کرلاتے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ جوشخصیت اللہ کی کتاب میں بیان کردہ مخصوص صفات کی مصداق ہو،اورثریا ستارہ تک سے اسلام کولانے کی صلاحیت رکھتی ہو،اس کے تکلف سے بچنے کا یہ عالَم ہے کہ اس کے پاس مہمانوں کی ضیافت کے لئے روٹی اور نمک کے علاوہ کوئی چیز میسر نہیں،اوراس کی زندگی ہر طرح کے تکلف سے پاک ومبراء ہے،لیکن اس کا اللہ اوراس کے رسول کے یہاں کتنا بلند مقام ہے۔

آج کے دور میں اس طرح تکلفات سے پاک لوگوں کا ڈھونڈے سے بھی ملنا مشکل ہے۔

اسی لیے ذوق شاعر نے کہا کہ:

دل فقر کی دولت سے مرا، اتنا غنی ہے　　　دنیا کے زر و مال پہ، میں تُف نہیں کرتا

اے ذوقؔ تکلّف میں ہے تکلیف سراسر　　　آرام سے وہ ہے جو تکلّف نہیں کرتا

ہم نے بعض علاقوں میں مہمانوں کی ضیافت میں بنفسِ نفیس بہت تکلفات کا مشاہدہ کیا ہے،جس سے وہاں کے علماء وصلحاء بھی محفوظ نہیں،ایک ایک وقت کی ضیافت میں پچاسوں ہزار روپیہ بہادیا جاتا ہے،دوسری طرف اس قسم کے کئی لوگوں کا یہ عالَم ہے کہ وہ دوسروں کے قرض کے تلے دبے ہوئے ہیں،جس سے نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں پاتے،اس کے لئے دنیا جہاں کی تدبیریں،تعویذ اوردعائیں کراتے پھرتے ہیں،زندگی کے شعبہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں،لیکن اپنے علاقہ کے تکلفات میں ڈوبے پڑے ہیں، بلکہ ان کے اس قسم کے تکلفات نے ہی ان کواس مقام پرلا کھڑا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔آمین۔

---

[1] عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تَلا هَذِهِ الْآيَةَ :(وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ) (محمد :) قَالُوا :يا رسول الله من هؤلاء الذى إِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوا بِنَا ثُمَّ لا يَكُونُوا أَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلَى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ثُمَّ قَالَ" :هَذَا وَقَوْمُهُ لَوْ كَانَ الدِّينُ عِنْدَ الثريا لتناوله رجال من فارس(صحيح ابنِ حبان،رقم الحديث۷۱۲۳،ذكر سلمان الفارسى رضى الله تعالى عَنْهُ)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية صحيح ابنِ حبان)

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط61) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (انتالیسواں حصہ)

گزشتہ مضامین میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کے رواۃ (راویوں) کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہمیت جن مؤطاؤں کو حاصل ہیں، وہ دو ہیں ''مؤطا امام محمد، موطأ یحییٰ بن یحییٰ''۔

چنانچہ امام محمد نے امام مالک رحمہ اللہ سے براہِ راست ''مؤطا'' کی سماعت فرمائی، اور اس میں اپنے دیگر اساتذہ کرام سے سنی ہوئی احادیث کو بھی درج کیا، لیکن یہ وہ روایات تھیں کہ جن کو امام مالک نے اپنی موطا میں بیان نہیں کیا تھا، اور ساتھ ساتھ امام محمد نے ہر حدیث کے آخر میں حنفی مسائل کو بھی ذکر کیا۔

لیکن شیخ یحییٰ مصمودی کی روایت کردہ موطاء کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کے وقت زیرِ سماعت تھا، اس طرح یہ مؤطا کے تمام نسخوں میں آخری نسخہ قرار پاتا ہے، جو امام مالک کی نظر سے گزرا۔

تاہم بعض محققین موطا امام محمد کو شیخ یحییٰ مصمودی کی موطا پر کئی وجوہات کی بنیاد پر فوقیت دیتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں محقق علامہ زاہد الکوثری کی یہ رائے نہایت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نسخے جداگانہ خصوصیات اور حیثیت کے حامل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

> اس دور میں مؤطا کی مشہور ترین روایت اہلِ مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے، اور اہلِ مغرب میں یحییٰ اللیثی کی روایت ہے، چنانچہ پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اہل عراق نے اہلِ حجاز کی موطا میں موجود ان روایات کو لیا ہے، جن کو انہوں نے دوسرے دلائل کی بناء پر نہیں لیا، جن کو امام محمد اپنی موطا میں لائے ہیں، اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہے، جو اہلِ مدینہ اور اہلِ حجاز کے اجتہادی مسائل، اور

فریقین کی آراء ودلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔

اور موطا کی دوسری روایت تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ امام مالک کے تین ہزار کے قریب ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے، جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے، اور یہ دونوں روایتیں دنیا بھر کے کتب خانوں میں شرقاً وغرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں (التعليق الممجد على موطأ محمد، للعامة عبد الحی اللكنوی، ج ۱، ص ۲۹ و ۳۰)

تاہم آج مؤطا امام مالک کے نام سے جو کتاب بالخصوص ہمارے علاقوں میں مروج ہے وہ یحییٰ مصمودی ہی کی روایت ہے، جس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں، اور حضرت شیخ المشائخ جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس موطأ کی جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی ہے، دو شرحیں لکھی ہیں، پہلی شرح ''مصفیٰ فی احادیث الموطأ'' کے نام سے ہے، جو ایک دقیق اور مجتہدانہ انداز میں فارسی زبان میں ہے، اور دوسری شرح مختصر ہے، اس میں صرف فقہاء حنفیہ وشافعیہ کے مذاہب بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے، اس کا نام ''مسویٰ من احادیث الموطأ'' ہے۔ [1]

---

[1] موطاء کی پہلی روایت:

شیخ یحییٰ مصمودی کی امام مالک سے روایت کردہ اس نسخے میں جو سب سے پہلی روایت ہے، اس کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اور اس کے بعد ''وقوت الصلاۃ'' کا عنوان قائم ہے، جس کا مطلب یہ ہے اس باب میں ہم ایسی حدیث بیان کریں گے، جس سے نماز کے اوقات معلوم ہوں، اور پھر اس کے بعد نمازوں کے اوقات سے متعلق ایک مشہور حدیث ''حدیثِ جبریل'' ذکر کی گئی ہے، جو کہ ایک مشہور اور وقوت الصلاۃ سے متعلق صحیح روایت ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

يحيى، عن مالك بن أنس، عن ابن شهاب، أن عمر بن عبد العزيز أخر الصلاة يوما، فدخل عليه عروة بن الزبير فأخبره أن المغيرة بن شعبة أخر الصلاة يوما، وهو بالكوفة، فدخل عليه أبو مسعود الأنصاري، فقال: ما هذا يا مغيرة، أليس قد علمت أن جبريل نزل فصلى، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم .ثم صلى، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم صلى، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم،ثم صلى، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم صلى، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم.
فقال: بهذا أمرت؟ فقال عمر بن عبد العزيز: اعلم ما تحدث يا عروة، أو إن جبريل هو الذي أقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقت الصلاة؟ قال عروة: كذلك كان بشير بن أبي مسعود الأنصاري، يحدث عن أبيه. قال عروة: ولقد حدثتني عائشة، زوج النبي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يصلي العصر والشمس في حجرتها قبل أن تظهر (موطاء امام مالك،وقوت الصلاة)

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ موطأ امام مالک حدیث کی کتاب بھی ہے اور فقہ کی کتاب بھی، اور اس پر مزید یہ کہ موطأ امام مالک کی اہمیت کا اندازہ اس سے بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں چاروں فقہاء کے فقہی اجتہادات کی جڑ اور بنیاد موطأ امام مالک میں ملتی ہے، شاہ صاحب مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ موطأ امام مالک میں جو فقہی آراء اور اجتہادات پر مبنی ذخیرہ موجود ہے، وہ سارے کا سارا بنیادی طور پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اجتہادات پر مبنی ہے، اور انہی دونوں صحابہ کرام کے اجتہادات کی بنیاد پر چاروں فقہیں مرتب ہوئی ہیں، اور چونکہ ان کے اجتہادات کو امام مالک نے اپنی اس کتاب میں سمویا ہے، اس لیے چاروں فقہی مسالک کی جڑیں بالواسطہ، یا بلاواسطہ موطأ امام مالک میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ موطأ امام مالک بلا اختلافِ مسلک، ہر فقہ میں مقبول ہے، اور تمام بڑے بڑے فقہی مسالک کے فقہاء موطأ امام مالک میں دستیاب مواد اور دلائل سے استناد کرتے ہیں، ان اسباب کی بنیاد پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر موطأ امام مالک کو درسِ حدیث کی بنیاد بنایا جائے، تو فقہی مسالک میں جو اختلاف ہے، اس کو کم کیا جاسکتا ہے۔ [1]

اور یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ اگر موطأ امام مالک کو درسِ حدیث کی بنیاد بنایا جائے، تو تمام فقہی مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لایا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کو کئی بار تبادلۂ خیال کا موقع ملا، دونوں نے ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھا، پھر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں امام محمد جو فقہ حنفی کے ناشر و مرتب اور ترجمان ہیں، وہ امام مالک کے بھی براہِ راست شاگرد ہیں، امام مالک کے اثرات ان کی کتابوں کے ذریعے فقہائے احناف تک پہنچے ہیں (جیسا کہ ''الموطأ، روایۃ محمد بن الحسن'' میں)

پھر امام شافعی براہِ راست اور بیک وقت امام مالک کے بھی شاگرد ہیں، اور امام محمد کے بھی، دوسری

---

[1] شاہ صاحب رحمہ اللہ کے یہ افکار، ان کی تالیف کردہ ''موطأ امام مالک'' کی شروحات بزبانِ فارسی ''مصفّٰی فی احادیث الموطأ'' اور بزبانِ عربی ''مسویٰ من احادیث الموطأ'' دونوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

www.idaraghufran.org

طرف امام ابو یوسف نے امام مالک سے بھی کسبِ فیض کیا، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے امام ابو یوسف اور امام محمد نے مشہور مالکی فقیہ اسد بن فرات سے بھی موطأ امام مالک کا سماع حاصل کیا، پھر امام احمد حنبل براہِ راست امام شافعی کے شاگرد ہیں، اس طرح سے امام مالک کی ذات ایسی ہے کہ ان سے چاروں بڑے فقہی مسالک کا واسطہ رہا، اور یہ سب آ کر کسی نہ کسی طرح سے ان کی ذات پر جمع ہو گئے۔

یوں موطأ امام مالک کی اہمیت حدیث کی کتاب کے اعتبار سے تو ہے ہی، لیکن فقہ کی کتاب کے اعتبار سے بھی اس کی ایک منفرد حیثیت اور اہمیت ہے کہ اس میں اکابر صحابہ اور تابعین کے ساتھ ساتھ امام مالک کے اپنے اجتہادات بھی موجود ہیں، اور اس اعتبار سے بھی کہ یہ وہ کتاب ہے، جس سے بالواسطہ، یا بلا واسطہ تمام مسالک کے لوگوں نے کسبِ فیض کیا ہے، اور تقریباً موطأ امام مالک تمام فقہی مسالک میں پڑھائی جاتی ہے (ماخوذ از محاضراتِ فقہ، ملخصاً، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۴۹۶)

ائمہ حدیث وفقہ کے نزدیک آپ کا درجہ ومقام

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”بلاشبہ امام مالک رحمہ اللہ کے چند مناقب (وصفات) ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں، میں نہیں جانتا کہ وہ آپ کے علاوہ کسی اور میں بھی پائی جاتی ہوں۔ پہلی طول عمر اور روایت کے نقل کرنے میں حد درجہ کا مقام، دوسرے ذہن وسمجھ کی تیزی اور وسیع علم، تیسرے ان کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق، چوتھے ان کی دینداری، عدالت اور اتباعِ سنت پر اہل علم کا اتفاق، پانچویں فقہ اور فتویٰ اور اس کے قواعد کی صحت“ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج۱،ص۱۵۷)

آپ کے اسی درجہ ومقام کی وجہ سے بہت حضرات نے حدیث روایت کرنے میں ”مالک عن نافع عن ابن عمر“ کی سند کو ”سلسلة الذهب“ قرار دیا ہے۔

(جاری ہے......)

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ(قسط111) مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جدید دنیا پر اثرات (حصہ:4)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عوامی احتساب اسلامی طرزِ حکمرانی کا نمایاں وصف تھا۔آپ نے نہ صرف گورنروں کے اثاثوں کا باقاعدہ حساب رکھا بلکہ عام لوگوں کو بھی یہ حق دیا کہ وہ کھلے عام سوال اور اعتراض کرسکیں۔مسجد کے منبر سے خلیفہ کا احتساب، حج کے موقع پر عوامی شکایات کی سماعت،اور قرآن مجید کے مقابلے میں اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ ریاستی اختیار قانون اور شریعت کے تابع تھا، نہ کہ شخصی اقتدار کے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اس اصول کو عملی شکل دیتا ہے کہ اسلامی نظام میں حاکم بھی عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف آنے والے اعتراضات یا فیصلوں کو خوشدلی سے قبول کرتے تھے ،جس کو جدید زبان میں Public Accountability کہا جاتا ہے۔

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ تَعَالَى وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ: " أَلَا لَا تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَبْلُغُنِي عَنْ أَحَدٍ سَاقَ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ سَاقَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ سِيقَ إِلَيْهِ إِلَّا جَعَلْتُ فَضْلَ ذَلِكَ فِي بَيْتِ الْمَالِ "ثُمَّ نَزَلَ , فَعَرَضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ , فَقَالَتْ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَكِتَابُ اللهِ تَعَالَى أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَوْ قَوْلُكَ؟ قَالَ: " بَلْ كِتَابُ اللهِ تَعَالَى , فَمَا ذَاكَ؟ "قَالَتْ: نَهَيْتَ النَّاسَ آنِفًا أَنْ يُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ وَاللهُ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا , فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:

"كُلُّ أَحَدٍ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ "مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا , ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ: " إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ أَنْ تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ أَلَا فَلْيَفْعَلْ رَجُلٌ فِي مَالِهِ مَا بَدَا لَهُ(السنن الكبرى للبيهقي رقم14336)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ خبردار! عورتوں کے مہر میں حد سے زیادہ اضافہ نہ کرو۔ مجھے اگر یہ خبر پہنچی کہ کسی نے رسول اللہ کے مقرر کردہ مہر سے زیادہ مہر دیا ہے اس سے زیادہ مقرر کیا ہے،تو میں اس زائد رقم کو بیت المال میں داخل کردوں گا۔پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ قریب ہی ایک عورت نے آپ کو روک کر کہا کہ اے امیر المؤمنین! کیا اللہ کی کتاب زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا آپ کی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلکہ اللہ کی کتاب (زیادہ حق رکھتی ہے) کیا بات ہے؟ عورت نے کہا کہ آپ نے ابھی لوگوں کو عورتوں کے مہر میں زیادتی سے منع کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

اگر تم ان میں سے کسی ایک کو ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے۔ یہ جملہ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔پھر آپ دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا میں نے تمہیں عورتوں کا مہر زیادہ کرنے سے منع کیا تھا، سن لو! آدمی اپنے مال میں جو چاہے کرے۔(ترجمہ ختم)

یہ طرزِ عمل جدید جمہوری ریاستوں کے تصورِ Public Accountability، Transparency، Parliamentary Oversight اور Judicial Review کی بین الاقوامی نظائر سے مشابہ ہے۔جدید دنیا جس نظامِ احتساب پر فخر کرتی ہے، خلافتِ فاروقی میں وہ اصول عملی صورت میں موجود تھے۔

مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی ریاست کا حکمران اوراس کے ماتحت کام کرنے والے دیگر حکام شریعت اور قانون سے بالاتر نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نظریے کو نہ صرف بیان کیا بلکہ اپنی پالیسیوں میں سختی سے نافذ کیا خواہ وہ گورنروں کا محاسبہ ہو، بیت المال کی نگرانی ہو، یا ذاتی زندگی میں سادگی اور جوابدہی کا رویہ۔

جدید آئینی ریاست میں جسے Constitutional Supremacy کہا جاتا ہے۔ خلافتِ فاروقی میں اس کا عملی نمونہ اس وقت موجود تھا جب دنیا ابھی ریاستی قانونیت کے تصور سے ناواقف تھی۔

A.V. Dicey نے اپنی کلاسیکی تصنیف Introduction to the Study of the Law of the Constitution میں Rule of Law کے تین بنیادی اصول بیان کیے ہیں:

قانون کی بالادستی (Supremacy of Law) قانون کے سامنے مساوات (Equality before Law) بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamental Rights)

اگر ان اصولوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے، تو واضح ہوتا ہے کہ خلافتِ فاروقی میں یہ تینوں اصول پہلے ہی پوری قوت کے ساتھ موجود تھے۔

قاضی شریح کے سامنے خلیفہ کا بطور مدّعا علیہ کھڑا ہونا Equality before Law کی مثال ہے۔عوامی سوالات کے سامنے خلیفہ کا جواب دہ ہونا Accountability & Rights Protection کا عملی نمونہ ہے۔شوریٰ کا فعال کردار Participatory Governance کے اصول سے ہم آہنگ ہے، جسے جدید آئینی نظام میں ادارہ جاتی شکل دی گئی۔جدید دنیا نے جب طاقت کی جگہ قانون کو بالادست بنایا، تو اس کے فکری پس منظر میں وہی آفاقی اصول کارفرما تھے جو اسلام نے ساتویں صدی میں نافذ کیے۔مغربی سیاسی فلسفے نے اگرچہ ان اصولوں کو اپنی زبان میں مرتب کیا، مگر عملی نفاذ کی اولین روشن مثالیں خلافتِ راشدہ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نظر آتی ہیں۔

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

صحت کا قاتل

پیارے بچو! احمد، بلال اور حمزہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور تینوں گہرے دوست تھے۔ ان تینوں میں ایک بات بالکل ایک جیسی تھی کہ وہ جدید دور کی ان چیزوں میں کچھ زیادہ ہی کھو گئے تھے، جو لوگوں کی سہولت کے لئے ہیں۔ اسکول سے آ کر فوراً موبائل فون کا استعمال ویڈیو گیمز اور سوشل میڈیا میں لگ جانا ان کا معمول بن چکا تھا۔ فاسٹ فوڈ، کولڈ ڈرنکس اور چپس ان کی روزمرہ خوراک بن چکی تھیں۔ رات دیر تک اسکرین دیکھنے کی وجہ سے نیند کم ہوگئی تھی، اور صبح اسمبلی میں جمائیاں لیتے نظر آتے تھے۔

ایک دن کھیل کے پیریڈ میں احمد اچانک تھک کر بیٹھ گیا۔ بلال کو بھی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سانس پھولنے لگا، جبکہ حمزہ کو سر درد کی شکایت رہنے لگی۔ اسپورٹس ٹیچر نے انہیں بلایا اور نرمی سے سمجھایا کہ جدید دور کی کچھ عادتیں جیسے زیادہ اسکرین ٹائم، جنک فوڈ، میٹھے مشروبات اور جسمانی سرگرمی کی کمی آہستہ آہستہ صحت کو کمزور کر دیتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ نیند کی کمی یادداشت اور توجہ کو متاثر کرتی ہے، اور مسلسل بیٹھے رہنا موٹاپے اور کمزوری کا سبب بنتا ہے۔ تینوں دوستوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی روٹین بدلیں گے۔ انہوں نے موبائل کا وقت کم کیا، رات کو وقت پر سونے لگے، اور روزانہ پارک میں فٹ بال کھیلنے کا معمول بنالیا۔ کولڈ ڈرنکس کی جگہ پانی اور تازہ جوس پینا شروع کیا، اور چپس کی جگہ پھل اور گھر کا کھانا اختیار کیا۔ شروع میں مشکل محسوس ہوئی، مگر چند ہفتوں بعد وہ خود کو زیادہ توانا اور خوش مزاج محسوس کرنے لگے۔ سالانہ اسپورٹس ڈے آیا تو احمد نے دوڑ میں انعام جیتا، بلال کی فٹنس بہتر ہوگئی، اور حمزہ کی توجہ کلاس میں نمایاں ہوگئی۔

اب تینوں نے سمجھ لیا کہ جدید دور کی ہر چیز فائدہ مند نہیں ہوتی۔ جدید دور کی چیزوں کا زیادہ استعمال صحت کا قاتل ہے۔ اس لئے اصل کامیابی وہی ہے جو صحت کے اصولوں متوازن غذا، مناسب نیند، باقاعدہ ورزش اور اعتدال کے ساتھ حاصل کی جائے۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوقِ نسواں کا فریب: قسط 99) مفتی طلحہ مدثر

زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ: 17)

معزز خواتین! زینت اور خوبصورتی اختیار کرنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ جو پہلے زمانے سے چلتا آ رہا ہے، وہ جسم گودنے کا ہے، اس کا طریقہ ہر زمانے میں مختلف رہا ہے، کچھ خواتین چہرے کو گودتی تھیں، کچھ بازو، سینہ یا ہونٹ یا گردن وغیرہ کو، پہلے یہ سادہ انداز کی علامات یا ڈیزائن ہوتے تھے، جسم میں کوئی نوک دار چیز مثلاً سوئی وغیرہ داخل کر کے اس میں سیاہی، سرمہ یا کوئی اور چیز بھر دی جاتی ہے، پھر زمانے میں نئی نئی چیزیں ایجاد ہوگئیں، اور یہ پورا ایک شعبہ بن کر فیشن کی صورت اختیار کر گیا ہے، جس کو ہم ٹیٹو (tattoo) بنانا کہہ سکتے ہیں، اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام میں وشم کی ممانعت

وشم یا جسم گودنے کی احادیث میں واضح طور پر ممانعت وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ (صحیح مسلم ، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والنامصة والمتنمصة والمتفلجات والمغيرات خلق الله، رقم الحدیث 119-2124)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ملانے والی اور ملوانے والی اور جسم گودنے والے اور جسم گودوانے والی پر لعنت فرمائی ہے (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، چنانچہ عطاء بن یسار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الوَاصِلَةَ وَالمُسْتَوْصِلَةَ، وَالوَاشِمَةَ وَالمُسْتَوْشِمَةَ (صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب الوصل بالشعر، رقم الحديث 5933)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال ملانے والی اور بال ملوانے والی پر اور جسم گودنے والی اور جسم گودوانے والی پر لعنت فرمائی ہے (بخاری)

پچھلی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعنت کرنے کا ذکر تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کا ذکر ہے۔

اور ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

أُتِيَ عُمَرُ بِامْرَأَةٍ تَشِمُ، فَقَامَ فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ، مَنْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الوَشْمِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُمْتُ فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ أَنَا سَمِعْتُ، قَالَ: مَا سَمِعْتَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لاَ تَشِمْنَ وَلاَ تَسْتَوْشِمْنَ (صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب المستوشمة، رقم الحديث 5946)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا، جو جسم گودا کرتی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور فرمایا میں اللہ کی قسم دے کر آپ سب سے پوچھتا ہوں، کس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وشم کے بارے میں سنا ہے؟، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں اٹھا اور کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے سنا ہے، انہوں نے پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: عورتیں نہ جسم گودیں اور نہ ہی کسی سے گدوائیں (بخاری)

یعنی نہ خود یہ عمل کریں اور نہ ہی کسی دوسرے سے یہ عمل کروائیں۔

وشم، جسم گودوانے کا کیا مطلب ہے؟

جسم گودنے کا مطلب یہ ہے، کوئی بھی چیز جسم میں داخل کر کے اس کا رنگ تبدیل کر دیا جائے، خواہ سیاہی ہو، سرمہ ہو یا کوئی لیکوڈ (liquid) ڈال کر ہو، اور پھر وہ جسم کا حصہ بن جائے، چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں:

الواشمات من الوشم فی الید وکانت المرأة تغرز معصم یدها بإبرة أومسلة حتی تدمیه ثم تحشوه بالکحل فیخضر یفعل ذلک بدارات ونقوش، ...... والمستوشمة هی التی تسأل وتطلب أن یفعل ذلک بها

(معالم السنن،شرح سنن ابی داود، کتاب الترجل ، ومن باب صلة الشعر، ج۴ص ۲۰۹)

ترجمہ: ''الواشمات'' سے مراد وہ خواتین ہیں جو جسم گودتی ہیں، خاص طور پر ہاتھ پر عورت اپنے کلائی میں سوئی یا دھات کی نوک (مسلّة) سے چھید کرتی تھی، تاکہ خون آ جائے، پھر اس جگہ کو کالے رنگ (یا سرمہ) سے بھرتی، تاکہ سبز یا نمایاں ہو جائے، یہ عمل مختلف ڈیزائن اور نقش ونگار کے ساتھ کیا جاتا تھا......، اور'' المُستوشمة''وہ عورت ہے جو کسی سے درخواست کرتی ہے کہ اس کا جسم گودا جائے، یعنی جو خود نہیں کرتی بلکہ دوسرے سے کرواتی ہے (معالم السنن)

یہ عمل صرف ہاتھ پر نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ چہرے پر، ہونٹوں پر بازوں اور کلائیوں پر اور دیگر اعضاء پر بھی کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت نافع سے مروی ہے، کہ بعض خواتین یہ عمل مسوڑھوں تک میں بھی کرتی تھیں، ان سب صورتوں میں ایک چیز مشترکہ ہے، کہ اس عمل کے بعد وہ ڈیزائن یا نقش ونگار جسم کا مستقل حصہ بن جاتا تھا، جس کو بغیر تکلیف کے ختم کرنا عموماً ممکن نہیں ہوتا تھا، چنانچہ وشم کی موجودہ دور میں جو بھی صورت ہو، اور جس بھی عضو پر ہو، جب تک اس میں یہ کیفیت پائی جائے گی، تب تک یہ عمل، ممنوع اور حرام ہوگا۔

(جاری ہے............)

آپ کے دینی مسائل کا حل — ادارہ

دعاءِ تعزیت میں ہاتھ اٹھانے کا حکم (قسط:2)

آج کل بعض علاقوں میں تعزیت کے موقع پر مغفرت کی دعاء کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاتی ہے، اور اس سلسلہ میں شدید اختلاف رونما ہوتا ہے، اس کے متعلق بعض علماء نے ہماری رائے معلوم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، جس پر مندرجہ ذیل تحقیق کی گئی۔ (ادارہ)

اب تعزیت ودعاء سے متعلق چند احادیث وروایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَكَانَ إِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا، وَإِذَا سَأَلَ سَأَلَ ثَلَاثًا (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۷۹۴ "۱۰۷" کتاب الجهاد والسير، باب ما لقى النبى صلى الله عليه وسلم من أذى المشركين والمنافقين)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کیا کرتے تھے، تو تین مرتبہ دعاء کیا کرتے تھے، اور جب (اللہ سے کوئی) سوال کیا کرتے تھے، تو تین مرتبہ سوال کیا کرتے تھے (مسلم)

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی موقع پر ایک دعاء کو تین مرتبہ تکرار کے ساتھ کرنا معلوم ہوا، جس سے دعاء کی اہمیت بھی معلوم ہوئی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے بچہ کی وفات پر یہ پیغام بھیجا کہ:

أَنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۷۳۷۷، کتاب التوحيد، باب قول الله تبارك وتعالى "قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن أيا ما تدعوا فله الأسماء الحسنى")

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کے لئے ہے، جو کچھ اس نے لیا، اور جو کچھ اس نے عطاء

کیا،اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک وقت مقرر ہے، پس ان کو حکم دو کہ وہ صبر کریں،اوراور ثواب کی امید رکھیں (بخاری)

اس حدیث سے بطورِ تعزیت فوت شدہ کے اہلِ خانہ کو صبر وتحمل اور رضا بالقضاء کی دعاء وتلقین کرنے کا حکم ثابت ہوا۔

بعض دوسری روایات میں بھی فوتگی کے موقع پر جزع وفزع سے بچ کر صبر وتقوے کو اختیار کرنے کا حکم مذکور ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْکِیْ عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اِتَّقِی اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ قَالَتْ: إِلَیْکَ عَنِّیْ، فَإِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ، وَلَمْ تَعْرِفْهُ، فَقِیْلَ لَهَا: إِنَّهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِیْنَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْکَ، فَقَالَ: إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰی (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۸۳، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گذرے، جو قبر کے پاس رو رہی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، اور صبر کرو، اس عورت نے کہا کہ کہ آپ کو میرے سے کیا لینا، پس بے شک میری مصیبت آپ کو نہیں پہنچی (اس لئے آپ کو میری مصیبت و پریشانی کا احساس نہیں) اور اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں، اس عورت کو کہا گیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پھر وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر چوکیداروں ومحافظوں کو نہیں پایا، اس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہوا کرتا ہے (اب رو دھو کر اور صبر سے انکار کرنے کے بعد، اس کا وقت گذر چکا ہے) (صحیح بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْبَقِیْعِ عَلٰی امْرَأَۃٍ جَاثِمَۃٍ عَلٰی قَبْرٍ تَبْکِیْ فَقَالَ لَھَا: یَا أَمَۃَ اللّٰہِ اتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ ،فَقَالَتْ: یَا عَبْدَ اللّٰہِ إِنِّیْ الْحَرَّی الثَّکْلٰی ،فَقَالَ: یَا أَمَۃَ اللّٰہِ اتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ (مسند ابی یعلٰی الموصلی، رقم الحدیث ٦٠٦٧،مسند أبی ھریرۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک عورت کے پاس سے گزرے، جو ایک قبر سے چمٹ کر بیٹھی تھی، اور رو رہی تھی، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! اللہ سے ڈرو، اور صبر کرو، اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میں اس حالت کے لائق ہوں، اولاد سے محروم عورت ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! اللہ سے ڈرو، اور صبر کرو (ابو یعلیٰ)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَھَّدُ الْأَنْصَارَ وَیَعُوْدُھُمْ، وَیَسْأَلُ عَنْھُمْ، فَبَلَغَہٗ عَنِ امْرَأَۃٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ مَاتَ ابْنُھَا وَلَیْسَ لَھَا غَیْرُہٗ، وَأَنَّھَا جَزَعَتْ عَلَیْہِ جَزَعًا شَدِیْدًا، فَأَتَاھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَھَا بِتَقْوَی اللّٰہِ وَبِالصَّبْرِ (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث ١٤١٦، کتاب الجنائز) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انصار کا بہت خیال و دھیان رکھتے تھے، اور ان کی عیادت بھی کیا کرتے تھے، اور ان کے متعلق سوال بھی کیا کرتے تھے، تو ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ انصار کی ایک خاتون کا بیٹا فوت ہوگیا، اور اس عورت کا اس کے علاوہ کوئی بیٹا نہیں تھا، اور وہ شدید جزع وفزع کر رہی تھی، تو رسول اللہ

---

[1] قال سعد بن ناصر بن عبد العزیز الشّثری: ھذا حدیث حسن، فإن أبا عبیدۃ وإن کان فیہ مقال، فإن للأصل شاھدا قویا من حدیث "أنس رضی اللہ عنہ" أخرجہ البخاری وغیرہ (حاشیۃ المطالب العالیۃ محققا، ج٥، ص٢١٨، تحت رقم الحدیث ٧٨٢، کتاب الجنائز، باب الأمر بالصبر)

[2] قال الحاکم: صحیح الإسناد، ولم یخرجاہ بذکر الرقوب.

صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے، پھر اس کو اللہ سے ڈرنے اور صبر کرنے کا حکم فرمایا (حاکم)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے متوفیٰ کے گھر، یا دوسرے مقام پر صبر وتقوے کی ترغیب کا حکم ثابت ہوتا ہے، اور یہ تعزیت کا حصہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ، أَوِ الْمَيِّتَ، فَقُوْلُوْا خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ، قَالَتْ: فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبَا سَلَمَةَ قَدْ مَاتَ، قَالَ: قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَهٗ، وَأَعْقِبْنِيْ مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً، قَالَتْ: فَقُلْتُ، فَأَعْقَبَنِيَ اللّٰهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ لِّيْ مِنْهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ٩٢٠ ''٦'' کتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض والميت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مریض، یا مردہ کے پاس حاضری دو، تو خیر کی بات ہی کرو، کیونکہ تم جو کچھ کہتے ہو، اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر جب ابو سلمہ فوت ہوگئے، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک ابو سلمہ فوت ہوگئے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ دعاء کرو کہ ''اے اللہ! میری اور ان کی مغفرت فرما دیجئے، اور ان کے بدلہ میں مجھے اس سے بہتر انجام عطاء فرما دیجئے'' ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے یہی دعاء کی، تو مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرما دیا (کہ ابو سلمہ کی وفات کے بعد میرا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا) (مسلم)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَدْعُوْا عَلٰی أَنْفُسِکُمْ إِلَّا بِخَیْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِکَۃَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِأَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ، وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ، وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ، وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ (صحیح مسلم،رقم الحدیث ۹۲۰ "۷" کتاب الجنائز، باب فی إغماض المیت والدعاء له، إذا حضر)

ترجمہ: تم اپنے لیے صرف خیر کی دعاء ہی کرو، کیونکہ تم جو کچھ کہتے ہو،اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرمادے،اوران کے ہدایت یافتہ لوگوں میں درجات بلند فرمادیجئے،اور پیچھے رہ جانے والوں میں ان کے بعد نائب مقرر فرمادیجئے،اور ہماری اور ان کی مغفرت فرمادیجئے، اے رب العالمین! اوران کی قبر کو کشادہ اور منور فرمادیجئے (مسلم)

اس حدیث سے اہلِ میت کے لئے صبر وتقوے کی دعاء اور ساتھ ہی میت کے لئے دعاءِ مغفرت کا ثبوت ہوا۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے اپنے والد کی شہادت کے واقعہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر،اسے اٹھایا،اور یہ دعاء کی:

اَللّٰھُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِیْ أَھْلِہٖ، وَبَارِکْ لِعَبْدِ اللّٰہِ فِیْ صَفْقَۃِ یَمِیْنِہٖ، قَالَھَا ثَلَاثَ مِرَارٍ (مسند احمد،رقم الحدیث ۱۷۵۰) [1]

ترجمہ: اے اللہ! جعفر کے اہلِ خانہ میں ان کا نائب پیدا فرما،اور عبداللہ کے ہاتھ کے سودے (تجارت) میں برکت عطاء فرما، یہ دعاء تین مرتبہ فرمائی (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی فوت ہونے پر دعاء کا ثبوت ہوا۔

بعض روایات میں دیگر الفاظ کا بھی ذکر ہے، جن میں سے بعض کی اسناد پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط مسلم(حاشیة مسند احمد)

www.idaraghufran.org

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف مواقع پر تعزیت کرنا ثابت ہے۔ ۱؎

مذکورہ روایات میں دعاء کی تو تصریح ہے، لیکن ہاتھ اٹھانے کی تصریح نہیں، البتہ بعض روایات سے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، جس طرح نماز کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف دعاؤں کو ثبوت ملتا ہے، لیکن سب، بلکہ اکثر احادیث میں ہاتھ اٹھانے کی تصریح نہیں ملتی، جس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہے کہ امت تعزیت کو ہاتھ اٹھانے کے ساتھ مختص اور اس کو لازم نہ سمجھ لے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معمولات سے بھی واضح ہوتا ہے، اور اس کی مزید تحقیق آگے آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

حَتّٰـى جَـاءَ الْبَقِيْعَ فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثَـلَاثَ مَرَّاتٍ (صحيح مسلم، رقم الحديث ۹۷۴"۱۰۳"کتاب الجنائز،باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها)

ترجمہ: یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع قبرستان تشریف لائے، پھر کھڑے ہوگئے اور لمبا قیام کیا، پھر اپنے ہاتھ (دعاء کے لئے) تین مرتبہ اٹھائے (صحیح مسلم)

پھر اسی حدیث کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرستان تشریف لے جانے کی وجہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ:

فَقَـالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَـأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ، قَالَتْ: قُلْـتُ: كَيْفَ أَقُوْلُ لَهُـمْ يَـا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ قُوْلِيْ: اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا

۱؎ أخبرنا هارون بن زيد – وهو ابن أبى الزرقاء – قال: حدثنا أبى قال: حدثنا خالد بن ميسرة قال: سمعت معاوية بن قرة أبيه قال: كان نبى الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس يجلس إليه نفر من أصحابه، وفيهم رجل له ابن صغير يأتيه من خلف ظهره، فيقعده بين يديه، فهلك، فامتنع الرجل أن يحضر الحلقة لذكر ابنه، فحزن عليه، ففقده النبى صلى الله عليه وسلم فقال: "ما لى لا أرى فلانا؟" قالوا: يا رسول الله بنيه الذى رأيته هلك .فلقيه النبى صلى الله عليه وسلم، فسأله عن بنيه، فأخبره أنه هلك، فعزاه عليه (سنن النسائى،رقم الحديث ۲۰۸۸، كتاب الجنائز، باب فى التعزية)

وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (صحيح مسلم، رقم الحديث ٩٧٤ "١٠٣" "كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها)

ترجمہ: پس جبریلِ امین نے فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع قبرستان آ کر ان کے لئے استغفار کریں (اس حکم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع قبرستان تشریف لے گئے، اور مرحومین کے لئے مغفرت کی دعاء کی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اُن (قبرستان والوں) کے لئے کیسے کہوں (یعنی کس طرح سے دعاء کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ کہو کہ سلام ہو مومنین اور مسلمین کے گھر والوں پر، اور اللہ ہم سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم (اور ان کی مغفرت) فرمائے، اور بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں (مسلم)

اس طرح کی اور روایات بھی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی متوفیین کے لئے ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعاء فرمائی، جس سے متوفی کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا، اور اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہوا، قطع نظر اس سے کہ یہ دعاء تعزیت کے موقع کی نہ ہو، کیونکہ اصل مقصود میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کے مسئلہ کا ثبوت ہے، جس کے حکم میں دعاء، دون دعاء میں فرق کی ضرورت، اور اس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

اور متعدد فقہائے کرام نے میت کے لئے دعاء واستغفار کرنے کو زیارتِ قبور کے مصالح ومقاصد میں ذکر کیا ہے۔ [1]

جس طرح دعاءِ استغفار للمیت بھی تعزیت کے اہم مقاصد میں سے ہے، کمامر۔

---

[1] فالزيارة للقبور فيها مصلحتان :الدعاء للأموات والترحم عليهم، وتذكر الآخرة والاعتبار(شرح أخصر المختصرات لعبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن جبرين"دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية" رقم الدرس: ١٢ ص ٩، كتاب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، زيارة القبور خاصة بالرجال)

ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور لقول النبي صلى الله عليه وسلم إني كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فإنها تذكركم الآخرة ، ولعمل الأمة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا(بدائع الصنائع، ج ١ ص ٣٢٠، كتاب الصلاة، فصل بيان وجوب الدفن)

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھی کے فوت ہونے، اور ان کے ہاتھوں میں تکلیف کی شکایت و خبر دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعاء کی تھی۔

چنانچہ امام حاکم نے اس قصہ کے ذیل میں روایت کیا ہے کہ:

فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ (المستدرک للحاكم، رقم الحديث ۲۹۶۳، كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم، ذكر فضل المهاجرين) [1]

ترجمہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی مغفرت فرمادے، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (حاکم)

اس حدیث سے متوفی کی خبر ملنے کے بعد اس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا معلوم ہوا۔

اور یہ پہلے گزر چکا کہ میت کے وہ احباب ورفقائے کار، جو غم زدہ ہوں، ان سے بھی دعاءِ تعزیت کی جاسکتی ہے، اور اس کے لئے خاص میت کے گھر جانا بھی ضروری نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِنَا وَخَبَرِ أَبِي عَامِرٍ، وَقَالَ: قُلْ لَهُ اِسْتَغْفِرْ لِي، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ، وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ، فَقُلْتُ: وَلِي فَاسْتَغْفِرْ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ، وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا (صحيح البخاري، رقم الحديث ۴۳۲۳، كتاب المغازي، باب غزاة أوطاس)

ترجمہ: پھر ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق خبر دی، اور ابو عامر کی وفات کی بھی خبر دی، جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے مغفرت کی دعاء کرنے کی درخواست کی تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگا کر وضو کیا، پھر اپنے دونوں ہاتھ

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.
وقال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم

اٹھا کر یہ دعاء کی کہ:

اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما۔

اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے آپ) کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھ لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ، ان کو اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فوقیت عطاء فرما، پھر میں نے عرض کیا کہ میرے لئے بھی مغفرت کی دعاء کردیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرمادیجئے، اور قیامت کے دن اس کو مکرم مقام میں داخل فرمادیجئے (صحیح بخاری)

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متوفی کے فوت ہونے کی خبر ملنے پر ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعاء کرنا، ثابت ہے، اور میت کے احباب ورفقائے کار سے، اور میت کے گھر کے علاوہ تعزیت کرنے پر کلام پہلے گذر چکا ہے۔

اور ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں کہ فقہائے کرام نے تعزیت میں صبر وتحمل اور رضا بالقضاء وغیرہ کی تلقین، اور دعائے رحمت وصبر ومغفرت، اور میت کے گھر اور گھر سے باہر، اور اس کے اہلِ خانہ واحباب وغیرہ سے تعزیت کے مستحب ہونے کے حکم کو مختلف احادیث سے اخذ کیا ہے، جن میں یہ حدیث بھی شامل ہے۔

اور بعض علماء کا اس حدیث میں یہ توجیہ کرنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متوفی کی درخواست پر ان کے لئے دعاء کی تھی، اس لئے یہ دعاء، تعزیت سے الگ حکم رکھتی ہے، تو اس توجیہ سے اس مسئلہ پر فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اس موقع پر دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، تو کسی کی درخواست کے بغیر بھی ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا یہی حکم ہوگا، کیونکہ کسی کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا، اس کی درخواست، اور بغیر درخواست کے یکساں حکم رکھتا ہے، دونوں صورتیں، جائز ومستحب ہیں۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام ومحدثینِ عظام نے اس حدیث سے مطلق دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے، جس سے دعائے تعزیت کو مستثنیٰ نہیں کیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا دَعَا جَعَلَ ظَاهِرَ كَفَّيْهِ مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ، وَبَاطِنَهُمَا، مِمَّا يَلِي الْأَرْضَ (مسند احمد ،رقم الحدیث ۱۲۲۳۹) ؎1

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کیا کرتے تھے، تو اپنی ہتھیلیوں کے ظاہر کو اپنے چہرہ کی طرف، اور اپنی ہتھیلیوں کے باطن کو زمین کی طرف کرلیا کرتے تھے (مسند احمد)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ هٰكَذَا بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ، وَظَاهِرِهِمَا (سنن ابی داود،رقم الحدیث۱۴۸۷، ابواب فضائل القرآن، باب الدعاء) ؎2

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے اور ان ہتھیلیوں کے ظاہر سے دعاء کرتے ہوئے دیکھا (ابوداود)

حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۴۸۶، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء) ؎3

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ سے سوال کرو (یعنی کوئی چیز مانگو) تو تم اپنی ہتھیلیوں کے اندر والے حصوں سے مانگو (ابوداود)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ: رَأٰى رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ يَدْعُوْ رَافِعًا كَفَّيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَأْسَهُ (صحیح ابن

؎1 قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

؎2 قال شعیب الارنؤوط: صحيح لغيره (سنن ابی داود)

؎3 قال شعیب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية سنن ابی داود)

حبان، رقم الحديث ٨٧٨، كتاب الرقائق، باب الادعية، ذكر البيان بأن رفع اليدين فى الدعاء يجب أن لا يجاوز بهما رأسه) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مدینہ منورہ کے) زوراء مقام کے قریب ''احجارِ زیت'' نامی جگہ میں اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ کے سامنے اٹھا کر دعاء کرتے ہوئے دیکھا، آپ کی ہتھیلیاں، آپ کے سر سے اوپر نہیں نکل رہی تھیں (صحیح ابنِ حبان)

اس طرح کی اور احادیث بھی ہیں۔

مذکورہ احادیث سے دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کا مسنون، محمود ومرغوب ہونا معلوم ہوا۔

عام دعاء میں تو ہتھیلیوں کا رخ آسمان ہی کی طرف ہوتا تھا، مگر چونکہ ہاتھ چہرے سے نیچے ہوتے تھے اور ہتھیلیوں کا رُخ اپنی طرف، اس لئے بعض روایات میں ان کی تعبیر ہتھیلیوں کے اپنی طرف ہونے سے کردی گئی۔

البتہ بعض روایات میں بارش طلب کرنے کے موقع پر ہاتھ مبالغہ کے ساتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَلَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْعَبْدِ أَنْ يَّرْفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ فَيَرُدَّهُمَا خَائِبَتَيْنِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٨٨٠، كتاب الرقائق، باب الأدعية) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل وعلا بندہ سے حیاء فرماتا ہے کہ بندہ اس کی طرف (دعاء کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر وہ بندہ کے ان ہاتھوں کو محروم حالت میں واپس لوٹائے (صحیح ابنِ حبان)

اس حدیث سے دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔

اور تعزیت کے موقع کا محلِ دعاء ہونا پہلے گذر چکا ہے، اس لئے تعزیت کے موقع کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کو بھی اصولی طور پر یہ فضیلت شامل ہے۔ (جاری ہے............)

---

[1] قال شعيب الانؤوط: إسناده صحيح، وابن الهاد هو يزيد بن عبد الله بن أسامة بن الهاد (حاشية ابنِ حبان)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده جيد (حاشية صحيح ابنِ حبان)

www.idaraghufran.org

کیاآپ جانتے ہیں؟

مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات،مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

’’رسومِ افتاءواصولِ افتاء‘‘ پرکلام (قسط:13)

دوصورتوں میں دیگرفقہاء کےقول پرعمل وفتوی کا تصور

اس کے بعد فاضل موصوف نے لکھا کہ:

’’البتہ صرف دوصورتوں میں دوسرے فقہاءِ کرام کے قول پرعمل کرنے،یافتویٰ دینے کی گنجائش ہے‘‘(کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل،ص۱۵۲،مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ،کمیٹی چوک،راولپنڈی،طبع اول۲۰۲۴ء)

تبصرہ:......فاضل موصوف نے خودفقہائے حنفیہ کی طرف سے مجتہدین ومقلدین کی اقسام اوران کے وظائف کی تشریح وتعیین کئے بغیرنہایت دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے تئیں،اپنے اوراپنے چند متبوعین کے بیان کردہ چنداقوال کوفتوے کے اصول سمجھ کردنیاکے تمام مقلدین کودوسرے فقہائے کرام کے قول پرعمل کرنے،یافتویٰ دینے کی گنجائش ہونے کاحکم صادرفرمادیا۔

اور یہ تک واضح نہیں کیاکہ وہ خوداوران کے متبوعین،مقلدین کی کونسی قسم میں داخل ہیں،گویاکہ دنیا جہاں میں بسنے والے تمام مقلدینِ احناف کے لئے دوصورتوں کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کے قول پرعمل کرنے،یافتویٰ دینے کی قطعی گنجائش نہیں۔

اورگویاکہ فاضل موصوف کوفقہ پرزبردستی کاقبضہ جماکربیٹھ جانےکادنیاجہاں کےتمام مقلدین نے استحقاق فراہم کردیاہو۔

جبکہ واقعہ یہ ہےکہ موصوف اوران کے متبوعین عامی شخص کے لئے بھی جمہورحنفیہ کی طرف سے مذہبِ معین کی پابندی واجب نہ ہونے کے راجح قول کے ترک کرنے پرموثردلائل قائم نہیں کرسکے،اورمرجوح اقوال پرمبنی اقوال کواختیارکرکے،اپنے اورپرائےفقہائے کرام،اوراپنے اور

غیر مذاہب کی تقسیم اوراس کے لیے خود اپنی طرف سے اس طرح کی شرائط درشرائط عائد کرکے، لوگوں کے لئے دین میں تنگی اور حرج پیدا کئے ہوئے ہیں،اوپر سے جو شخص ان کو سیدھی راہ دکھائے،اس کے خلاف اس طرح کی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں،جن کی دلائل کے تناظر میں زیادہ اہمیت نہیں۔

اس لئے فاضل موصوف نے جو صرف دو صورتوں میں دوسرے فقہائے کرام کے قول پر عمل کرنے ،یا فتویٰ دینے کا حکم صادر فرمایا،ہم نہ اس کو اپنے اوپر حجت سمجھتے ،اور نہ ہی عوام پر حجت سمجھتے ،اور جن حوالہ جات کے تناظر میں فاضل موصوف اس قسم کی چیزوں کا استخراج کرتے ہیں،ہم ان کو بھی ان سے بڑے درجہ کے محققین ومجتہدین کے سینکڑوں حوالہ جات کے تناظر میں افتاء کے اصول نہیں سمجھتے ، بلکہ وہ خود ہی محلِ کلام اوراصل اصولِ افتاء سے متصادم ہیں۔

اور ہم الحمدللہ تعالیٰ اس موقف کو مدلل انداز میں بیان ونقل کرنے میں بھی خیانت کی ضرورت اور خوفِ ملامت نہیں رکھتے ، جو ہماری بیسیوں کتب میں مبسوط ومطبوع ہیں،فاضل موصوف جو چاہیں، کہتے پھریں،اور جس طرح کی چاہیں،اپنے ہم خیال حضرات کے ساتھ مجالس قائم کرکے تبصرے اورسدِ باب کی کوشش کرتے رہیں،وہ سب ان شاءاللہ اپنے منہ کے بل الٹی ہی پڑتی رہیں گی ،اوراجتہادی مسائل میں اللہ اوراس کے رسول کی طرف سے امتِ وسط کے لئے جو جو سہولتیں اور رخصتیں ،عطاء فرمائی گئی ہیں،اوران کی سلف سے لے کر خلف تک ہر دور کے محققین بیان ونقل کرتے رہے ہیں،وہ ان کو کسی قفل میں چھپا کرنہیں رکھ سکیں گے۔

ضرورت وحاجت میں مذہبِ غیر پر فتویٰ کا تصور

اس کے بعد فاضل موصوف اپنی حصر کردہ دو وجہوں میں سے پہلی وجہ کو بیان کرتے ہوئے،اس طرح رقمطراز ہوئے:

(۱)ضرورت ،یا حاجت کی وجہ سے،یعنی جب کسی مسئلہ میں اپنے مذہب پر عمل کرنے میں جان،یا عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو،یا ایسی سخت تنگی اور حرجِ شدید لازم آئے،جو نا قابلِ برداشت ہو‘‘(کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل،ص۱۵۲،مطبوعہ: مکتبہ معارف

السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول ۲۰۲۴ء)

تبصرہ:......فاضل موصوف سخت تنگی اور حرجِ شدیداور نا قابلِ برداشت کی جتنی چاہیں قیود لگالیں، بات وہی معتبر ہوگی، جو فقہائے محققین کی تصریحات وترجیحات سے ثابت ہوگی۔

اور سلف محققین نے اجتہاد وترجیح کی صلاحیت رکھنے والے مجتہد، اور نہ رکھنے والے، عامی ومقلد سب کے لئے اپنے اپنے وظائف متعین کر کے سب کچھ بحمد اللہ تعالیٰ منقح وطے فرمادیا ہے، اور جس طرح کی ضرورت وحاجت کا فاضل موصوف نے اب تک سبق پڑھا اور پڑھایا ہے، اس کا فاضل موصوف کو نہ تو مجتہدین کے وظیفہ میں دور دور تک ذکر ملے گا، بلکہ وہاں اجتہاد سے ترجیح دینے کا ذکر ملے گا، اور نہ ہی غیر مجتہدین، یعنی عامی کے وظیفہ میں ذکر ملے گا، بلکہ اتنی سخت قید کے ساتھ تو ایسی صورت صرف اضطرار میں ہی ممکن ہے، جس میں صریح حرام کی بھی گنجائش ہے، چہ جائیکہ مذہبِ غیر پر فتویٰ دینے کی صورت میں۔

مجتہدینِ عظام، مجتہد کا اصل مذہب اس کے اجتہاد پر مبنی ہونے، اور غیر مجتہد وعامی کا کوئی مذہب نہ ہونے، اور اس کے لئے تمام مذاہب برابر ہونے اور کسی بھی مسئلہ میں کسی مذہب پر عمل پیرا ہوکر بری الذمہ ہونے کی خود ہی تصریح فرما چکے ہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:

وَقَدُ شَاعَ أَنَّ الْعَامِّيَّ لَا مَذُهَبَ لَهُ (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص ۴۸، مقدمۃ)

ترجمہ: اور یہ اصول (فقہاء میں) شائع وذائع ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا (ردالمحتار)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَقَدُ عُلِمَ مِنُ هٰذَا أَنَّ مَذُهَبَ الْعَامِّيِّ فَتُوَى مُفُتِيهِ مِنُ غَيُرِ تَقُيِيدٍ بِمَذُهَبٍ (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۴۱۱، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)

ترجمہ: اور اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ (کسی بھی مسئلہ میں) عامی کا مذہب، اس کو فتویٰ دینے والے کا مذہب ہوتا ہے، کسی خاص مذہب کی قید کے بغیر (ردالمحتار)

ایک اور مقام پر علامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:

قَالُوا الْعَامِّيُّ لا مَذْهَبَ لَهُ، بَلْ مَذْهَبُهُ مَذْهَبُ مُفْتِيهِ (رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ص ۸۰، كتاب الحدود، باب التعزير)

ترجمہ: فقہاء فرما چکے ہیں کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مذہب اس کے مفتی کا مذہب ہوتا ہے (ردالمحتار)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُ الْمُفْتِي فِي حَقِّ الْجَاهِلِ بِمَنْزِلَةِ رَأْيِهِ وَاجْتِهَادِهِ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص ۶۹، كتاب الصلاة، بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ)

ترجمہ: مفتی کا قول جاہل کے حق میں اس کی رائے اور اجتہاد کے درجہ میں ہوتا ہے (ردالمحتار)

اس قسم کی مزید تصریحات آگے بھی آتی ہیں۔

اس لئے فاضل موصوف کے ذمہ ہے کہ سلف محققین کی تصریحات کی روشنی میں پہلے ہمارے مجتہد، یا عامی ہونے کی کوئی صورت متعین کرکے، ہمارے مذہب کی تعیین کریں، پھر اس سے خروج ودخول کا حکم لگائیں۔

اور ہمیں کسی کی طرف سے اپنے متعلق مجتہد ہونے کی سند، یا اس کے لقب کو حاصل کرنے کی بحمداللہ تعالیٰ ہرگز اور ادنیٰ درجہ کی بھی خواہش نہیں، اگر ہمیں عامی کی فہرست میں شامل کرلیا جائے، تب بھی الحمدللہ تعالیٰ ہمیں کوئی مسئلہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں تو اجتہادی واختلافی مسائل میں اجتہاد وترجیح کی جدوجہد سے نجات پاکر (جس کو فی الحال ہم اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہیں) بے شمار مجتہدینِ عظام، اور فقہائے کرام میں سے کسی کی پیروی واتباع کرکے، اور اسی طرح اس مجتہد کے قول، یا اقوال کو نقل کرکے، نجات کا آسان راستہ ہمارے لئے موجود ہے۔

اوراس کے باوجود ہمیں جس قدر اللہ نے صلاحیت عطاء فرمائی ہے، تمام ترطعن وتشنیع کے ہوتے ہوئے بھی اس کو بروئے کار لانے کی اپنی ذمہ داری کونباہنے کی کوشش جاری رہے گی، جس کے لئے فاضل موصوف، یاان کے حلقہ کے لوگوں سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور ہمیں جہاں مذہب کے مرجوح قول پرعمل کی ضرورت وحاجت لاحق ہوگی، وہاں ہمارے لئے مذہب کے ضعیف اقوال کی شکل میں راستہ موجود ہوگا، وہ بھی اس تفصیل کے بغیر، جس کے فاضل موصوف قائل ہیں، جیسا کہ گذرا، اورمزید ان شاءاللہ آگے آتا ہے۔

اوراس صورت میں سخت تنگی اورنا قابلِ برداشت حرجِ شدید، وغیرہ وغیرہ جیسی جملہ پریشانیوں کے متحقق ہونے، نہ ہونے کا تعلق فاضل موصوف اوران کے ہم نوا، اوران کے مستفتی حضرات کے لئے ہوگا، جوایک طرف تو اجتہاد وترجیح کے تمام راستے بند ہونے اور تقلیدِ محض کے باقی رہ جانے کے مدعی ہیں، اور دوسری طرف غیر مجتہد اور عامی کے مخصوص مذہب کے متعین کرنے، اور پھراس کے عمر بھر کے لئے کسی خاص شریعت کی طرح پابند رہنے کے قائل ہیں، اوراس مذہب کی بھی جو ترجیحات پہلے سے طے ہوچکی ہیں، ان سب کی پابندی عائد کئے بیٹھے ہیں۔

ہم ان سب پریشانیوں کے حصہ دار اورشریک وسہیم نہیں، نہ ہی فاضل موصوف کو ہمیں ان میں کھینچنے کی ضرورت ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کی محنتوں سے ہمیں نجات بخشی ہوئی ہے "**فللّٰہ الحمد والشکر**"۔ (جاری ہے............)

دنیا کی زندگی

قرآن مجید اور معتبر احادیث کی روشنی میں دنیا اوراس کی زندگی کی حقیقت وحیثیت، دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں، اورنعمتوں پرقرآن وسنت کی تعلیمات، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی وقعت، زہد وقناعت، فقر وغربت کے متعلق شرعی ہدایات، دنیا اور مال ودولت کی حرص وطمع، اور مال کے تکاثر وتفاخر کا وبال، دنیا کی زندگی کا آخرت کی زندگی سے تقابل۔

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

ناشر: کتب خانہ ادارہ غفران، راولپنڈی۔ 051-5507270+0333-5365831

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ

مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت الیاس علیہ السلام (قسط2)

نام ونسب

بیشتر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اور ان کا نسب نامہ یہ ہے:

الیاس بن یاسین بن فنخاص بن عیزار بن ہارون

(یا) الیاس بن عازر بن یعزر بن ہارون (علیہ السلام) [1]

حضرت الیاس کی بعثت

قرآن وحدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل کے بعد اور حضرت الیسع سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی گمراہی کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ ''یہوداہ یا یہودیہ'' کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ'' اسرائیل'' کہلاتا تھا، اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا، حضرت الیاس اردن کے علاقہ ''جلعاد'' (قدیم زمانہ میں جِلْعاد اس علاقے کو کہتے تھے جو آج کل موجودہ ریاست اردن کے شمالی اضلاع پر مشتمل ہے، اور دریائے یرموک کے جنوب میں واقع ہے) میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا، اس کا نام بائبل

---

[1] قال علماء النسب: هو إلياس بن تسبى .ويقال: ابن ياسين بن فنحاص بن العيزار بن هارون .وقيل: إلياس بن العازر بن العيزار بن هارون بن عمران(البداية والنهاية، ج٢ ص ٢٧٢، كتاب المبتدأ وقصص الانبياء، قصة الياس عليه السلام)

www.idaraghufran.org

میں ''اخی اب'' اور عربی تواریخ وتفاسیر میں ''اجب یا احب'' مذکور ہے۔ اس کی بیوی ایز بل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنی اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا۔ حضرت الیاس (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں (کذا فی معارف القرآن عثمانی) [1]

قرآن مجید اور حضرت الیاس

قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر دو جگہ آیا ہے، سورہ انعام میں، اور سورہ صافات میں، سورہ انعام میں تو ان کو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں شمار کیا ہے، اور سورہ صافات میں بعثت اور قوم کی ہدایت سے متعلق حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

چنانچہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورة الانعام، رقم الآية ۸۵)

یعنی ''اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی) یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے''۔

اور سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ. اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ. اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ. اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ. وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي

---

[1] هو نبى من أنبياء بنى إسرائيل قال ابن عباس هو ابن عم اليسع وقال محمد بن إسحاق هو الياس بن بشر بن فنحاص بن عيزار بن هارون بن عمران عليه السلام وقال ايضا محمد بن إسحاق والعلماء من اصحاب الاخبار لما قبض الله عز وجل قبله نبيا عظمت الأحداث فى بنى إسرائيل وظهر الشرك ونصبوا الأوثان وعبدوها من دون الله فبعث الله إليهم الياس نبيا وكانت الأنبياء من بنى إسرائيل يبعثون بعد موسى بتجديد ما نسوا من التوراة(التفسير المظهرى، ج۸ص ۱۳۴ ، سورة الصافات)

اَلْاٰخِرِیْنَ. سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ. اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ. اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (سورة الصافات، رقم الآيات ۱۲۳ الی ۱۳۲)

یعنی ''اور بلاشبہ الیاس بھی یقینی طور پر رسولوں میں سے تھے۔ (ان کا بھی وہ وقت خاص طور پر یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب انہوں نے بھی اپنی قوم سے (دوسرے نبیوں کی طرح) یہی کہا کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم لوگ بعل (جیسی بے حقیقت چیز) کو پکارتے ہو؟ اور چھوڑتے ہو اس کو جو سب سے بہتر خالق ہے؟ اس اللہ کو جو تمہارا بھی رب ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا بھی، جو پہلے گزر چکے ہیں؟ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے الیاس کو جھٹلایا، اس لیے وہ ضرور (عذاب میں) دھر لیے جائیں گے۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے ان میں ہم نے یہ روایت قائم کی۔ (وہ یہ کہا کریں کہ) سلام ہو الیاس پر۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے''۔

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام — اضافہ واصلاح شدہ دسواں ایڈیشن

ماہِ رمضان کے فضائل واحکام

قرآن وحدیث اور فقہِ اسلامی کی روشنی میں اسلامی سال کے نویں مہینے ''ماہِ رمضان''

اور اس سے متعلق فضائل واحکام، منکرات وبدعات

رمضان کے مہینہ کے فضائل واحکام، چاند کے فضائل واحکام، روزہ کے فضائل واحکام

سحری کے فضائل واحکام، افطاری کے فضائل واحکام

لیلۃ القدر کے فضائل واحکام اور ان سے متعلق رائج منکرات واصلاحات

تراویح اور مسنون اعتکاف کی فضیلت واہمیت اور متعلقہ مسائل

رمضان کے چند مختصر اہم تاریخی واقعات

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

ناشر: کتب خانہ ادارہ غفران، راولپنڈی۔ 0333-5365831+051-5507270

www.idaraghufran.org

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

روزہ اور ادویات کا درست استعمال

اسلام کے پانچ ارکان میں روزہ ایک عظیم فرض عبادت ہے، جس کا مقصد تقویٰ اور روحانی پاکیزگی حاصل کرنا ہے، نیز روزہ جہاں صحت مند افراد پر فرض ہے، وہیں مریض اور مسافر افراد کے لیے اس میں رخصت بھی موجود ہے۔

رمضان المبارک کے قریب آتے ہی مریضوں کو ایک یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ کون سی دوا روزہ توڑ دیتی ہے اور کون سی دوا سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور روزے کی حالت میں ادویات کس طرح استعمال کی جائیں، اور دن میں استعمال ہونے والی دواؤں کو سحری و افطار کے اوقات میں کیسے منتقل کیا جائے۔

روزے میں ادویات کے چند اصول

طبی لحاظ سے ادویات کے اثر کے لیے ان کا مخصوص وقت، مقدار اور تسلسل ضروری ہوتا ہے، روزہ رکھنے والے مریضوں کو رمضان میں دواؤں کے اوقات تبدیل کرنے ہوتے ہیں، دوا کے اوقات کی یہ تبدیلی معالج کے مشورے اور اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کرنی چاہئے، کیونکہ بعض ادویات کا اثر چوبیس گھنٹے تک اور بعض ادویات کا اس سے کم وقت تک اثر رہتا ہے۔

نیز جو غذا یا دوا، انسانی بدن میں منہ کے ذریعے داخل ہو، اس سے روزہ فاسد ہو جاتا یعنی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ وہ ادویات جو منہ کے راستے سے جسم میں داخل نہ ہوں، مثلاً انجکشن، مرہم یا جلدی ادویات استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دن میں لی جانے والی دواؤں کو سحری و افطار میں منتقل کرنا

عام طور پر ادویات تین طرح کی ہوتی ہیں، دن میں ایک بار کھانے والی دوا، دن میں دو بار، اور دن

میں تین بار کھانے والی دوا، دن میں ایک بار لی جانے والی ادویات کو افطار یا سحری میں منتقل کیا جاسکتا ہے، اور دن میں دو بار والی ادویات کو افطار اور سحری میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

البتہ دن میں تین بار یا چار بار لی جانے والی ادویات کے اوقات، معالج کے مشورہ اور اپنے تجربہ کی روشنی میں طے کرنے چاہئیں، بغیر سوچے سمجھے خود سے دوا کا وقت بدلنا مناسب نہیں، خصوصاً شوگر، بلڈ پریشر، دل اور دمہ وغیرہ کے مریضوں کے لئے خود سے بے سوچے سمجھے دواء کے اوقات تبدیل کرنا خطرناک ہوسکتا ہے۔

عام امراض کی ادویات اور رمضان

بلڈ پریشر: بلڈ پریشر کی اکثر ادویات دن میں ایک یا دو بار استعمال ہوتی ہیں، اس لیے انہیں سحری اور افطار میں تقسیم کرنا آسان ہوتا ہے۔

البتہ پیشاب آور ادویات (Diuretics) سحری میں لینے سے دن میں پانی کی کمی ہوسکتی ہے، اس لیے انہیں افطار کے بعد لینا بہتر ہوتا ہے، پیشاب آور ادویات (Diuretics) عام طور پر بلڈ پریشر، دل کی کمزوری (ہارٹ فیلئر)، جسم میں سوجن (ورم) اور گردوں کی بعض بیماریوں میں استعمال کرائی جاتی ہیں۔

شوگر (ذیابیطس)

شوگر (ذیابیطس) کے مریضوں کے لیے رمضان المبارک میں انسولین اور شوگر کم کرنے والی گولیوں کا وقت معالج کے مشورے سے تبدیل کرنا ضروری ہے، افطار میں خوراک زیادہ لینے اور دوا کم لینے یا سحری چھوڑ دینے سے خون میں شوگر (گلوکوز) کی مقدار معمول سے کم ہوجانا، یا شوگر کے شدید اتار چڑھاؤ کا خطرہ ہوتا ہے۔

عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ روزہ شوگر کے مریضوں کے لئے کئی طرح کی مشکلات پیدا کرتا ہے، جوکہ غیر طبی رائے ہے، البتہ مرض کی شدت میں شوگر ہی نہیں، بلکہ اسلام میں کسی بھی مرض کی شدت میں روزہ رکھنے سے چھوٹ ہے۔

تھائی رائڈ

تھائی رائڈ کی دوا عموماً خالی پیٹ استعمال کرائی جاتی ہے، رمضان میں اسے سحری کھانے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے پانی کے ساتھ لینا مناسب رہتا ہے، اور اس کے بعد سحری کی جاسکتی ہے۔

معدہ کی تیزابیت اور السر کی ادویات: معدہ کی تیزابیت اور السر کی ادویات غروبِ آفتاب کے بعد روزہ افطار کرنے یعنی کھانا شروع کرنے سے چند منٹ پہلے لینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے، تاکہ معدہ افطار کی غذا کے لیے تیار ہو جائے۔

انہیلر، انجکشن اور ڈراپس

دمہ کے مریضوں کے لیے انہیلر زندگی بچانے والی دوا ہے، جدید فقہی تحقیقات کے مطابق اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک ہوائی پمپ یعنی انہیلر (Inhaler) اور وینٹولین (VENTOLIN) کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ دوا اسپرے کی شکل میں براہِ راست پھیپھڑوں تک پہنچتی ہے، اس لیے فوری اثر کرتی ہے، اور سپیسر کے ساتھ انہیلر استعمال کرنے سے دوا زیادہ مقدار میں پھیپھڑوں تک پہنچتی ہے، اور منہ میں دوا کم رہتی ہے، اس کے باوجود اگر اس پمپ سے فراغت کے بعد منہ میں دواء کے کچھ اجزاء محسوس ہوں، تو ان کو تھوک کے ساتھ اندر نگلنے کے بجائے، باہر تھوک دیا جائے، تو بلاشبہ روزہ پر کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔

اسی طرح اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک کسی قسم کا انجکشن (ٹیکہ) یا ڈرپ لگانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسی طرح راجح یہ ہے کہ آنکھ میں سرمہ، یا دوا ڈالنے (Eye Drops) سے اور کان میں پانی، یا دواء ڈالنے، یا چلے جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

نیز ناک میں کسی چیز، یا دوا کے ڈالنے (NoseDrops) سے اس وقت تک روزہ نہیں ٹوٹے گا، جب تک وہ چیز منہ میں پہنچ کر وہاں سے حلق کے واسطہ سے پیٹ میں نہ پہنچ جائے، اور اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صرف حلق سے ٹکرانا، یا حلق کے قریب تک پہنچ جانا، جب تک پیٹ میں نہ پہنچے، روزہ ٹوٹنے کا سبب نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ماہِ رمضان کے فضائل و احکام، مصنفہ: مفتی محمد رضوان خان صاحب، طباعتِ دہم، جنوری 2026ء)

اخبارِادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□...... 11/شعبان، بروز ہفتہ،مولانا عبدالرحمٰن صاحب (شیخ الحدیث، جامعہ عمر بن خطاب، ملتان) اپنے چند رفقاء کے ساتھ مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے ادارہ میں تشریف لائے۔

□...... 21/شعبان، بروز منگل ادارہ غفران کی مجلسِ فقہی کا انعقاد ہوا، جس میں علمی وتحقیقی رسائل کی جلد نمبر 30، اور جلد نمبر 31 کے لئے شائع ہونے والے رسائل پر مشاورت ہوئی۔

□...... 22/شعبان، بروز بدھ، شعبہ حفظ کے طلبہ کا سالانہ امتحان ہوا۔

□...... 26/شعبان، بروز اتوار مولانا مفتی قاری محمد فیاض صاحب (مہتمم جامعہ ابوبکر صدیق، پشاور) مفتی صاحب مدیر سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

□...... 29/شعبان بروز بدھ کی رات رمضان کی ابتداء ہوتے ہی ادارہ میں حسبِ سابق تراویح میں قرآن مجید سنانے کے مختلف حلقے قائم ہوگئے، حضرت مدیر صاحب اور آپ کے صاحبزادے مولانا محمد ریحان صاحب، مسجدِ غفران میں قرآن مجید کا ڈیڑھ پارہ یومیہ سنا رہے ہیں، جبکہ ادارہ کے مختلف حصوں میں قاری عبدالحلیم اور قاری مشتاق صاحبان ڈھائی ڈھائی پارہ، اور مولانا طارق محمود صاحب اور حافظ مجیب احمد صاحب تین پارے تراویح میں سنا رہے ہیں، مولانا غلام بلال صاحب اور حافظ محمد عفان صاحب اور حافظ محمد لقمان صاحب الگ الگ ڈیڑھ ڈیڑھ پارے تراویح میں سنا رہے ہیں، اور مسجد نسیم میں بندہ محمد ناصر سوا پارہ تراویح میں سنا رہا ہے، روات میں واقع ادارہ غفران کی شاخ میں بھی تراویح میں قرآن مجید سنانے کا عمل جاری ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔آمین۔

□...... تعمیرِ پاکستان سکول میں 20/شعبان (9/فروری 2026ء) بروز پیر سے 29/شعبان (18/فروری2026ء) بروز بدھ تک سالانہ امتحانات منعقد ہوئے۔

علمی وفقہی افادات

متفرق علمی وفقہی افادات کا مجموعہ، دینی مکاتب ومدارس، جامعات، افتاء

اور مدارس وجامعات کے نصاب ونظام اور طلبہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق

موجودہ حالات کے تناظر میں مفید رہنمائی پر مشتمل افادات وافاضات

مؤلف: مفتی محمد رضوان خان